اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر: دار العلوم ۔ ۴ | قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار | فون نمبر: رہائش ۔ ۲

جلد نمبر : ۲۰ | ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک | صفر المظفر ۱۴۰۵ھ

شمارہ نمبر : ۲ | | نومبر ۱۹۸۴ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

★

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۔/۴۰ روپے فی پرچہ چار روپے

بیرون ملک بحری ڈاک دس پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک چھ پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

انقلاب ایران کے بانی جناب خمینی جو اپنے انقلاب کو تاریخ اسلام کا پہلا نظام خلافت قرار دیتے ہیں اور جو پورے عالم اسلام کے اتحاد کے علمبردار بنے پھرتے ہیں اور جو بظاہر اپنے بیانات و تقاریر میں پوری دنیا کے سامراج و استعمار کو جھنجھوڑتے پھرتے ہیں۔ مگر درحقیقت اپنے افکار و نظریات اور تصانیف میں وہ نہایت کٹر غالی اور متعصب رافضی ہیں اور اسلام کے تصور وحدانیت و رسالت اور فلسفۂ حیات و نظام خلافت اور قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کے بارہ میں ایسے افکار کے مبلغ ہیں جس سے اسلام کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے دوسرے طرف اسلام کا ہمہ گیر اسلامی جذبۂ اخوت و اتحاد عملاً ان کے ہاتھوں عراق و ایران جنگ کی شکل میں خواب و خیال بن گیا ہے وہ پورے عالم عرب کے لئے بالخصوص اور عالم اسلام کے لئے بالعموم دردِ سر بن گئے ہیں اور پورے عالم عرب کو نہ ختم ہونے والی جنگ کی بھٹی میں جھونک کر بالواسطہ امریکہ اور اس کے پالتو اسرائیل کے تحفظ و دفاع میں مصروف ہیں (اور اس جنگ میں اسرائیلی اسلحہ کا ایران کے حق میں استعمال بڑے مستند طریقوں سے ثابت ہو چکا ہے۔) وہ اپنی خفیہ اور علانیہ سرگرمیوں سے مرکز اسلام حرمین الشریفین کو افتراق و انتشار انگیزی کی آماجگاہ بنانا چاہتے ہیں۔ مگر دوسری طرف انہیں اصرار ہے کہ اس انقلاب کو شیعہ انقلاب (جو میرے نزدیک اس سے بڑھ کر صیہونی انقلاب کہلانے کا مستحق ہے۔) نہیں بلکہ خالص اسلامی انقلاب سمجھا جائے اس "اسلامی انقلاب" میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس کی تفصیلات پردوں سے چھن چھن کر جو کچھ بھی سامنے آ رہی ہیں ہمارے ملک کے اسلام کے ہمہ گیر جذبات اخوت رواداری اور قومی یکجہتی پہ یقین رکھنے والوں کے لئے اس میں صدہا مواقع عبرت ہیں۔ ملک کے مؤقر معاصر روزنامہ جنگ کراچی نے اپنے جمعہ ایڈیشن ۱۱ نومبر میں بھارت کے ممتاز مسلم جریدہ۔ ندائے ملت۔ لکھنؤ۔ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اس سے سب کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ کیا ہمارے ملک کے شیعہ حضرات جو شیعہ حقوق کے تحفظ، شیعہ فقہ کی ترویج اور شیعہ قوم کی علیحدگی کے مطالبات کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایران کی سنیوں کے ساتھ اس نہایت افسوسناک امتیازی سلوک کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دے سکیں گے؟ اگر یہ تفصیلات غلط ہیں۔ تو پھر کیا ایران کی انقلابی حکومت اسکی تردید کر چکی ہے۔

بار مذکور رقمطراز ہے :

" تہران میں جہاں پانچ لاکھ سنّی مسلمان آباد ہیں وہاں انہیں آج تک اپنی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ملی ہے جبکہ وہاں عیسائیوں کے ۱۲ گرجے، ہندوؤں کے دو مندر، سکھوں کے تین گردوارے، یہودیوں کے دو عبادت خانے اور آتش پرستوں کے ۱۲ آتش کدے موجود ہیں۔"

ں کے بعد ندائے ملّت آگے چل کر لکھتا ہے :

" شاہ کے زمانے میں عیدین کی نماز تہران کے سنّی مسلمان ایک پارک میں پڑھتے تھے، لیکن جب سے مذہبی حکومت قائم ہوئی ہے عید کے دن اس پارک پر مسلح افواج کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔" اسی طرح جمعہ کی نماز کے لئے مذہبی حکومت سنّیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں شیعہ امام کی اقتداء میں جمعہ کی نماز پڑھیں۔ اس کے باوجود سنّی حضرات وہاں نماز نہیں پڑھتے بلکہ پاکستانی سفارتخانے میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔"

ائے ملّت یہ بھی لکھتا ہے کہ :

" ایران کے سنّی مسلمان اپنی مذہبی تبلیغ اور اشاعت اور اپنی اجتماعی فلاح وبہبود کے لئے نہ کوئی جلسہ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی تنظیم قائم کر سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں شورائے مرکزی اہل سنّت کے نام سے سنیوں نے ایک تنظیم بھی قائم کی تھی تو اسے وہاں کی مذہبی حکومت نے خلاف قانون قرار دے دیا۔" آگے چل کر اس مضمون میں جس کا عنوان " ایران میں مذہبی تنگ نظری " ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خوزستان صوبے میں جہاں ۹۵ فیصدی سنّی مسلمان آباد ہیں وہاں کے سرکاری اسکولوں میں ابھی پانچ سو اساتذہ مقرر کئے گئے ہیں جن میں صرف ۳۶ اساتذہ سنّی اور باقی ۴۶۴ اساتذہ شیعہ ہیں۔ ایسا اس لئے کیا جا رہا ہے کہ سنّی بچوں کو شیعہ مذہب میں آسانی سے تبدیل کیا جا سکے۔

ایک افریقی ملک ایتھوپیا میں لاکھوں افراد بھوک کے ہاتھوں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں ،
ستیاں اجڑ گئی ہیں جانور ہلاک ہو گئے ہیں درخت جل گئے ہیں اور کھیتیاں بھسم ہو کر رہ گئی ہیں۔ ہر طرف مٹی

اور گرد و غبار اڑ رہا ہے۔ معصوم بچے بلک بلک کر جان دے رہے ہیں، ہزاروں افراد کی ٹولیاں ادھر سے اُدھر بھاگتی پھر رہی ہیں اور ہر طرف لاشوں کا ڈھیر چھوڑ جاتی ہیں ـــــ یہ بیسویں صدی کی بات ہے، راکٹوں اور میزائلوں کا دور اور خلائی سیاروں کا زمانہ۔ مغرب نے ستاروں پہ کمند ڈالی اور مشرق نے کمیونزم کی شکل میں روٹی کا مسئلہ حل کرنے کا ڈھنڈورا پیٹا۔ اس تہذیب و تمدن، اس ایجاد اور انکشاف کے طوفانی دور میں لاکھوں انسان بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیں۔ اللہ اکبر۔ نئی تہذیب کی ساری طمطراق، رعنائی اور چکا چوند اور نام نہاد ترقی و عروج پر اس سے بڑھ کر خدائی تھپیڑ اور کونسا ہو سکتا ہے۔؟ کہ اس تہذیب و تمدن نے انسانوں کو تحفہ دیا تو نیوکلیائی ایٹمی ہتھیاروں کے ڈھیر لگا دیئے۔ موت کا سامان تاریخ میں کبھی اتنا ارزاں نہ تھا کہ آج اگر ایٹمی اور دیگر جنگی ہتھیار انسانوں پر بانٹ دیا جائے تو خدا کی اس بستی کے ہر باسی کو دو دو ٹن ہلاکت خیز مادہ اور ہتھیار مل جائے مگر نہ دے سکا تو دو وقت کھانا تو خیر بڑی بات ہے۔ وہ دو لقمے بھی میسر نہ کرا سکا، ادھر بھوک اور فقر و فاقہ اور ادھر جنگی ساز و سامان میں مسابقت کہ زمین تو کیا اب خلاء اور فضا میں بھی انسان کی ہلاکت آفرینیوں کی زد میں ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی ارشاد خداوندی " فاذاقهم الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يكسبون ۔" کا عملی مظاہرہ ہو سکتا ہے۔

اس نام نہاد انسانی ارتقاء کا خمیازہ بھوپال (بھارت) کے بے گناہ انسانوں کو بھی بھگتنا پڑا، گیس کا ایک پلانٹ پھٹنے سے دو ہزار سے زیادہ انسان ہلاک ہزاروں نابینا، مفلوج اور اذیت ناک بیماریوں کے کرب و الم میں عمر بھر کے لئے مبتلا ہو گئے لاکھوں افراد متاثر ہوئے، ہیروشیما اور ناگاساکی کے بعد کسی شہر کا اتنے بڑے پیمانے پر مبتلائے آفات و مصائب ہو جانا، اور وہ بھی، تمدنی ضروریات اور سائنسی ترقیات و ایجادات کے نام سے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ آج انسانیت ماتم کناں اور شرافت خندہ زن ہے، اس مادہ پرست تہذیب و تمدن پر کہ جس کے پیدا کردہ "انسانی آفات" آفات سماوی کو بھی پیچھے چھوڑ گئی ہیں۔

والله يقول الحق وهو يهدي السبيل ۔

سمیع الحق

ضبط و ترتیب
سمیع الحق

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

خدمتِ علمِ حدیث کے برکات

پچھلے تعلیمی سال کے اختتام پر ختم بخاری شریف کی تقریب منعقدہ شعبان ۱۴۰۴ھ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ارشادات کے اہم حصے نذر قارئین ہیں۔

حضرت بلالؓ امیہ کے غلام ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ راستہ پر گذر رہے تھے کہ ان کی فریاد سنی۔ تو امیہ کے پاس گئے کہا ظالم! تیرا غلام بلالؓ تو ہر حکم بجا لاتا ہے، اپنے فرائض ادا کرتا ہے تو تجھے کیا تکلیف ہے کہ اگر اس نے اپنا مذہب بجائے شرک کے توحید اپنا لیا تو تیرا کیا نقصان ہوتا ہے۔

خیر، امیہ بدقسمت تھا۔ جنگ بدر میں مقتول اور مردار ہوا۔ تو اس نے ابوبکرؓ سے کہا کہ تم بڑے رحمدل بنے پھرتے ہو اگر اتنے رحمدل ہو تو اس غلام کو تم خرید کیوں نہیں لیتے۔ حضرت ابوبکرؓ تو خدا سے مانگ رہا تھا۔ کہا، بہت اچھا، میں قیمتاً اسے خرید لینا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک منشی تھے جو روم سے آئے تھے نسطاس نام ہے حساب کتاب میں ماہر تھے۔ جب کہ ماہرین حساب کتاب اس وقت کم تھے گویا بہت ہی قیمتی تھے۔ امیہ کی زبان سے نکلا نسطاس غلام مجھے دے دو اور بلال لے لو۔ کہا، مجھے منظور ہے۔ نسطاس نام غلام امیہ کو دے دیا کہ واللہ اعلم کتنی قیمت کا ہو گا۔ اور اس کے بدلے حضرت بلال کو لے آئے۔ امیہ ہنستا رہا کہ ابوبکر! ہم تو تمہیں عربوں اور خاص کر مکہ کا بڑا عقلمند سمجھتے تھے مگر آج معلوم ہوا کہ تم بڑے ناسمجھ ہو۔ اور کہا کہ یہ بلال تو سوائے چوکیداری کے کسی کام کا نہیں۔ نہ صنعت نہ حرفت نہ کوئی اور۔ زیادہ سے زیادہ چوکیداری کر سکے گا۔ تم نے اس کے بدلے ایک حساب دان کاتب ماہر مجھے دے دیا۔ اور اس کے بدلے کیا لیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اس کے بدلے اگر تم اسی غلام بھی مانگتے تب بھی میں اسے قبول کر لیتا اور فرض کریں کہ کسی کی بادشاہت میرے پاس ہوتی اور تم مانگ لیتے تب بھی اسے چھوڑ کر بلالؓ کو لے آتا۔

بہرحال حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ مجھے ایک ظالم شخص سے رہا کر دیا۔ اگر اللہ کی بندگی کے لئے مجھے خریدا ہے تو عبادت کے لئے مجھے فارغ کر دیجئے۔ اور اگر اپنی خدمت کے لئے حاصل کیا ہے تب بھی میں خوشی سے خدمت بجا لاتا رہوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اعتقتك لله بڑی خوشی سے آزاد کر دیا۔

حضرت بلالؓ نے عہد کیا کہ اب ساری زندگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور ان کی سنت کی پیروی

ہیں گذاروں گا۔ تو اسی سنت کی پیروی کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا اونچا مقام دیا۔ کہ حضرت عمر امیر المومنین رضؓ خلیفہ ثانی ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا لو کان بعدی نبی لکان عمر جن کی بے شمار فتوحات ہیں اور قربانیاں ہیں۔ ہزاروں مساجد آباد کیں۔ ہزاروں شہر فتح کرکے مسلمانوں کی سلطنت میں شامل کر دئے۔ ایسے کارناموں والا خلیفہ خطبہ میں منبر پر فرماتے ہیں کہ بلالؓ ہمارے سردار ہیں۔ ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا۔ کہ ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی حضرت بلالؓ کو آزاد کیا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ یہ تو ان کا ایک مقام ہے جس سے بڑھ کر یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اے بلالؓ! میں رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں جنت میں داخل ہو رہا ہوں اور تمہارے جوتوں کی آہٹ مجھ سے آگے آگے سنائی دے رہی تھی اور یہ ایسا تھا جیسا کہ باڈی گارڈ یا خادم خاص آگے آگے جاتا ہے اور راستہ صاف کرتا ہے تو حضور اقدسؐ نے اتنی بڑی بشارت دی حضرت عمرؓ نے ایک مقام کو اشارہ فرما دیا اور دوسرے عظیم مقام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرما دیا۔ تو پھر یہ برکت کس چیز کی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور سنت کی پیروی کی ہے۔

حضرت صہیبؓ رومی روم کے باشندہ ہیں، مدینہ منورہ آئے حضرت عمرؓ کے ساتھ اس حد تک تعلق اور الفت ہے کہ بخاری میں پڑھا ہوگا کہ ایک موقع پہ حضرت عمرؓ نے پوچھا کون ہے؟ کہا گیا کہ صہیبؓ رومی ملنے آئے ہیں فرمایا بہت اچھا، جلدی بلایئے۔ حضرت عمرؓ کا جنازہ صہیبؓ رومی نے پڑھایا۔ یہ عزت و رفعت ان سنتوں کی پیروی کی وجہ سے ہے حضور اقدسؐ کا دامن مبارک جس نے پکڑ لیا اور حضورؐ کے کلمات و افعال و اقوال جس نے سنے اور پڑھے تو آپ کو معلوم ہے کہ حضور اقدسؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی ہے۔ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاها ثم اداها کما سمعها (او کما قال)

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ حدیث کے طالب علم کے چہرے پہ انوار چمکتے ہیں ایسا نور اور شعلے جیسا کہ چاند کی شعاع ہوں یہ آج جن بچوں نے حفظ قرآن کیا تو ان کی تلاوت سے ان کے منہ سے شعاع شمسی (یعنی سورج کی روشنی) خارج ہوتے ہیں اور محدث کے منہ سے چاند کی طرح انوار خارج ہوتے ہیں۔

فضل کے اس دور میں کہ الحاد اور زندقہ کا دور ہے فتنوں کی بارش ہے مگر محدثین کو روحانی اور مالی ہر قسم کا جو اطمینان میسر ہے اور جو گذر اوقات ہے متوسط طبقہ سے بھی اچھی ہے۔ طالب علمی میں دونوں وقت گوشت اور گندم کی روٹی ملتی ہے۔ سردیوں میں بھی متوسط طبقہ عموماً مکئی کھاتا ہے اور گذر اوقات کرتا ہے اور آپ آرام سے سب سہولتیں پا رہے ہیں۔ یہ حضور اقدسؐ کی اسی دعا اور ان احادیث کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ آپ کے بڑوں نے قربانی کی کہ اپنے جگر گوشوں کو اپنے کام کاج اور خدمت سے جدا کرکے یہاں بھیج دیا۔ کہ قال اللہ و قال الرسول سیکھ کر

ن کی خدمت اور علوم کی اشاعت کریں۔ تو ایک شخص بھی ہماری سعی و کوشش سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سیکھ لے
اتنا بڑا اجر ہے۔ تو آپ کو تو وہ حدیث یاد ہوگی کہ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی کچھ عرصہ چھپے رہے
پھر ایک دفعہ خفیہ طائف سے مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں کسی نے پہچان لیا۔ صحابہؓ نے دیکھ کر کہا۔ ارے یہ تو وحشی ہے
باپ کا خون جوش کرنے لگا۔ اور ہر ایک کے بغل میں تلوار تھی۔ کہ صحابہ رضی مجاہد تھے۔ اب وحشی اچانک مسجد نبوی
پہنچے۔ تو صحابہؓ ادب کے مارے کچھ نہ کہہ سکے۔ اور حضورؐ کے اشارہ کے منتظر ہیں کہ ابھی اشارہ ہوگا تو اسے قتل کر دیں گے

حضورؐ نے فرمایا۔ یہ وحشی ہے اور اسلام لانے آیا ہے۔ اسے آنے دو۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا کافروں
سے بھر جائے اور تم ان سب کو قتل کر دو تو بے شک بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ غازیوں کا
بڑا مقام ہے اور جہاد کا تو اتنا مقام ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ مجاہد کے کون برابر ہو سکتا ہے۔ فرمایا کوئی
ں۔ صرف وہ شخص جو صائم الدھر ہو اور قائم اللیل ہو۔ ہمیشہ ساری رات عبادت میں گزارے گویا چوبیس گھنٹوں
ایک سیکنڈ بھی خالی نہ ہو۔ یا ہمیشہ روزہ رکھے۔ مگر پھر بھی وہ کیسے صائم الدھر ہو سکتا ہے؟ کیونکہ پھر ایام
ہی ہے (سال کے پانچ روز) تو روزہ نہیں رکھ سکے گا۔ تو صائم الدھر کیسے بن سکے گا؟ یا کوئی رات بھر عبادت میں
غول ہو۔ مگر بول و براز، کھانا پینا، حوائج ضروریہ تو پھر بھی اسے پورا کرنا ہوں گے۔ تو ہر لمحہ کیسے قائم اللیل رہ سکتا ہے

مگر بالفرض والتقدیر ایسا کوئی پیدا بھی ہوا تو تب اس مجاہد کے برابر ہو سکے گا۔

آپ نے تو بھی پڑھا کہ اعمال تولے جائیں گے۔ مجاہد کی ایک دوسری خصوصیت بھی بڑی عجیب ہے کہ مجاہد کا
وڑا اگر بھاگتا دوڑتا ہے اور مالک پیچھے پیچھے بھاگتا جا رہا ہے گھوڑا پیاسا تھا۔ راستہ میں پانی پی لیا کسی کا گھاس
لپس کھا لیا۔ کھیت میں منہ ڈال دیا۔ اپنا ہو یا پرایا کہ وہ تو غیر مکلف تھا حیوان تھا اس میں مالک کے عمل کو کوئی
نہیں کہ وہ بے اختیار بھاگتا جا رہا ہے۔ اور پانی بھی پیتا ہے۔ گھاس بھی چرتا ہے تو قیامت کے دن اس کی یہ بھاگ
اور پیا ہوا پانی اور چرا ہوا گھاس بھی میزان اعمال میں تولا جائے گا۔ گو مالک کا اس عمل میں کوئی دخل نہ تھا۔ تو گویا
ہد کے، صرف اعمال نہیں بلکہ جواہر بھی تولے جائیں گے۔

تو اب جب وحشی اسلام لانے آیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ساری روئے زمین بھی کافروں سے بھر جائے اور کسی نے
سب کو قتل کر دیا تو بلاشبہ بڑا ثواب ہے۔ مگر اس کے بجائے کسی ایک کو بھی اسلام سکھلایا تو اس شخص کا درجہ
پہلے والے سے بھی بلند ہے۔ تو اشاعت دین اور علوم کی خدمت کرنے والوں اور بقائے دین کی سعی و جد و جہد
نے والوں کی کتنی بڑی سعادت ہے۔ تو یہ اسی پرفتن دور میں اساتذہ و طلبہ علوم دینیہ کو جو مقام حاصل ہے کسی کو
یں۔ قرآن کریم کے الفاظ کے لئے اللہ نے حفاظ لگائے۔ اور آج آپ نے حفاظ کی دستار بندی کی تو یہ حفظ، قرآن کا ایک
زہ ہے۔ کہ فارغ ہونے والوں میں ایک نوجوان نے صرف ۷۰ دن میں حفظ کیا۔

قرآن کے لب ولہجہ کی حفاظت اللہ نے قراء سے فرمائی۔ اعراب اور بنا کا تعلق علم نحو سے ہے۔ صیغے اور مادے کا تعلق صرف سے ہے۔ اسی طرح معانی مضامین اور مفاہیم کے لئے اللہ نے مستقل ایک جماعت تیار کی فقہائے کرام کی۔ یہ ہدایہ وغیرہ سب قرآن سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح منطق اور فلسفہ کا بھی حال ہے۔ یہ صغریٰ وکبریٰ اور نتیجہ سب قرآنی استدلال میں مستعمل ہیں۔ ابن سینا نے قل ہو اللہ احد کی تفسیر میں رسالہ لکھا عرصہ ہوا کہ نظر سے گذرا تھا۔ اس کے تمام مباحث و دلائل صغریٰ وکبریٰ پہ مرتب تھے۔ اب جب کہ فلاسفہ قدیم کے ہفوات اور بکواسات کا ازالہ اگر میبذی وصدرا سے کرنا مقصود ہو اور شرح عقائد اور علم کلام کی کتابیں اسی مقصد سے پڑھی جائیں تو پھر یہ سارے لوگ حضور اقدس ﷺ کی اس دعا کے دائرہ سے باہر نہیں رہ سکتے کہ نضر اللہ امرا الخ جو منطق اور فلسفہ بھی مخالفین شرع کی رد مطلوب ہو اور اسی مقصد سے شکل اول، شکل ثانی، شکل ثالث اور شکل رابع کا قرآن وحدیث کے دلائل پر انطباق کرے۔ تو اس کا تعلق بھی علوم دین سے ہوا۔ پھر حدیث اور قرآن کے طلبہ مشکوٰۃ اور بخاری پڑھنے والے تو بڑے فائق ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر دعائے نبوی نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا کما سمع او کما قال کے مصداق ہیں۔

اب یہ تمہارے فرائض میں ہے کہ اس حدیث کو یاد کر لیں، اور حفظ ایک تو صدری ہوتا ہے اور ایک کتابی۔ دونوں وعاھا میں داخل ہیں۔ حفاظ کی طرح بخاری شریف یاد کر لو تو یہ صدری ہے اور نہ کیا، تو لکھ لیتے۔ قلم سے لکھتے پھر اس پر نظر ثانی کرتے تصحیح کرتے پھر اسے صندوق میں تالا لگا کر اس کی حفاظت کرتے۔ گھر کے بچوں پر بھی اعتماد نہ تھا۔ کہ کہیں کوئی اس میں کمی بیشی نہ کر بیٹھے۔ سفر میں بھی مسودوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے۔ اور نظر میں رکھتے تو یہ بھی وعاہ ہے۔ حفظ صدر سے ہو یا کتابت اور کتاب سے ہو یہ حضورؐ کا مطلوب ہے اب آگے ہے واداھا کما سمعھا کہ جب اب دنیا میں پھیلو گے تو جیسا حفظ کیا بلا کم وکاست اسے دنیا میں پھیلاؤ گے اور حدیث میں ہے فرب مبلغ اوعیٰ من سامع بسا اوقات جن تک بات پہنچتی ہے وہ براہ راست سننے والوں سے زیادہ حفاظت کرنے والا ثابت ہو سکتا ہے۔ اسلاف نے احادیث پڑھ لئے۔ ان تک سننے والوں نے پہنچا دیں تو انہوں نے اس سے سینکڑوں احکام اصول اور فروع مستنبط کئے۔ یہ فقہ اور اصول فقہ کی تمام کتابیں اور ذخیرے یہی استنباطات ہیں جو فرب مبلغ الخ کے مصداق ہیں۔ تابعین، تبع تابعین ائمہ کرام اور فقہائے عظام نے اس کا استنباط کیا تو کیسی کیسی فطانت اور ذہانت اللہ نے انہیں دی تھی۔ کہ حدیث پڑھ لی اور سینکڑوں مسائل اس سے مستنبط کئے۔ تو بہرحال ہم طالبین حدیث کی ترو تازگی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

مگر یہ بھی ہے ان شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم فان عذابی لشدید (الآیۃ)

یہاں بھی شان رحمت کا ظہور ہے کہ لاعذبنکم نہیں کہا اور وہاں لازیدنکم کہا۔ لام تاکید، نون تاکید کے ساتھ مؤکد وعدہ ہے۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا اور اگر ناشکری کی تو پھر جیسے کہ بچے کو ڈراتے ہیں کہ یہ ڈنڈا ہے اور یہ

نہیں کہتے کہ اس سے ماریں گے۔ تو یہاں یہ نہ کہا کہ لاعذبنکم کہ میں عذاب دے دوں گا۔ بلکہ ان عذابی لشدید فرمایا کہ دیکھئے میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ تو یہ اللہ کی مرضی ہے کہ عذاب دینا بھی ہے یا نہیں گویا گنجائش رکھدی کہ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ تو جتنا بھی ہو سکے قرآن و حدیث کی اشاعت کرتے رہو۔

اسے بدقسمتی کہئے کہ آج کل دورہ حدیث پڑھا نہیں اور فنون کی عالی کتابوں کے پڑھانے میں لگ جاتے ہیں اور مدرسین ابتدائی کتابوں پر تو راضی ہی نہیں ہوتے۔ حضورؐ تو فرماتے تھے وما اسئلکم علیہ من اجر تنخواہ نہیں لوں گا اور فرمایا

وما انا من المتکلفین اسی طرح میں متکلیفین میں سے بھی نہیں ہوں۔ کہ ابھی مجھ پر کوئی مسئلہ واضح ہوا نہیں اور وحی آئی نہیں۔ مگر میں خود کو بھی اور تم کو بھی تکلیف میں ڈال دوں۔ برأۃ عائشہؓ کی دس آیتیں کافی دنوں بعد آئیں۔ ذوالقرنین کے بارے میں جواب کچھ دنوں بعد آیا۔ تو اس وقت تک آپ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ تو یہ ہے وما انا من المتکلفین۔ ہم تو ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود کے مصداق ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ جو نہ آئے تو کہدو کہ صبر کرو۔ مطالعہ کر لوں، سمجھ لوں۔ پھر تمہاری بھی تشفی کروں گا۔

دیوبند میں ہم اپنے ایک استاد سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتے تو وہ کتاب بغل میں اٹھا کر حضرت مدنی حضرت شیخ الادب کے پاس جاکر پوچھ لیتے، واپس آکر کہتے کہ ابھی مولانا سے پوچھ کر آیا ہوں۔ آج تو حرف بھی نہ آئے مگر کہنا ہے کہ میں ارسطو زماں ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ وما انا من المتکلفین۔

تو استاد اس پر خوش نہ ہو کہ بڑی کتاب پڑھاؤں۔ بعض اوقات ایک کتاب بڑی کامیاب ہوتی ہے مگر اسے چھوڑ کر حسامی اور عبدالغفور کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ نئی کتاب، مانگ لی وہ تو پڑھی تھی نہیں۔ تو حاصل شدہ عزت اور شہرت گنوا بیٹھتا ہے۔ اسے تکلف کہتے ہیں تو ہمارا ایک مرض ہے کہ ہم بڑی کتابوں کے پڑھانے کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ دیوبند میں ہمارے استاد تھے حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب، وفات سے کچھ پہلے میں خدمت میں حاضر تھا۔ ان کا ایک بیٹا تھا جو دیوبند میں مدرس تھا۔ تو مولانا نے وصیت فرمائی کہ تقسیم اسباق کے وقت اسے کتاب میں ترقی نہ دی جائے۔ اور دوسری یہ کہ ایک کتاب کم از کم تین دفعہ پڑھائے۔ تب آگے ترقی دیں۔ یہ مطالبہ کرتا رہے گا آپ اس کی بات پر نہ جائیں تو پھر ایک تھوڑے عرصہ میں علامہ بن جانا چاہتا ہے مگر آپ اپنے اوپر کبھی بھی عالم کا گمان نہ کریں۔ امام مالکؒ نے ۴۰ سوالات میں ۳۶ پہ لا ادری کہا، یہ نہ تھا کہ جواب دے نہیں سکتے تھے مجتہد تھے ذرا سی توجہ فرمالیتے، مگر مقصد یہ تھا کہ اب جب جواب حاضر نہیں تو بغیر سوچے سمجھے جواب نہیں دے سکتا۔ آج ہم ایسا کہہ سکیں گے؟ اللہ اکبر، ہرگز نہیں۔

اور آپ کو یہ جو سہولت طالب علمی کی تھی اب جاکر بکھیڑوں میں پڑ کر سب کچھ بھول جاؤ گے۔ اور بعض خوش قسمت ہیں تو یہ تر و تازگی نضر اللہ امرأ کا ظہور ہے۔ کہ یہ دارالعلوم اس بنجر علاقہ خٹک میں وادی غیر ذی زرع کا مصداق ہے۔

پھر مجھ جیسا بوڑھا لولہا لنگڑا اس کی کیا خدمت کر سکے گا؟ مگر یہ کون کرتا ہے؟ یہ اللہ کرتا ہے۔ یہ ہمارا دین پر احسان نہیں بلکہ دین کا ہمارے اوپر احسان ہے ہم اس کی وجہ سے محفوظ ہیں اور یہ سب حدیث اور قرآن کی برکت دنیا میں ظاہر ہو رہی ہے۔ تو خدا ایمان سلامت رکھے تو وہاں بھی محدث کے لئے ترو تازگی ہوگی۔ امام بخاری دفن ہوئے، خرتنگ شہر میں، تو چھ ماہ تک قبر سے خوشبو آتی رہی لوگ دیوانہ وار آ آ کر قبر سے مٹی لے جاتے گڑھا بن جاتا۔ بزرگوں کی دعا سے یہ کرامت ختم ہوئی۔

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد   وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

تو یہ ترو تازگی کی دعا مطلق ہے۔ دنیا میں، آخرت میں، قبر میں ہر ہر جگہ کے لئے بشارت اس دعا میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ جو یہ سب حضرات آج یہاں جمع ہیں ان کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ جہاں کوئی جماعت اللہ کی یاد اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لئے جمع ہوتی ہے تو ملائکہ اس کا گھیرا ڈال لیتے ہیں تو عرش تک قطار در قطار پرے لگ جاتے ہیں حفتھم الملائکہ (الحدیث) یہ بارش جب باہر برسے تو باہر کیوں جاتے ہیں؟ کہ بارش کے قطرے ہم پر بھی پڑ جائیں۔

اسی طرح ان حاضرین مجلس پر جو رحمت برستی ہے فرشتے ان کا مورد بننے کے لئے اسے گھیر لیتے ہیں ایسی مجلس میں حاضری ایک بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس نعمت علم کا حق شکر ادا کرنے کی توفیق دے۔ وہ کم از کم یہ ہے کہ فرائض واجبات سنن اور نوافل ترک نہ کریں۔ ہر دکاندار سائن بورڈ لگاتا ہے تو یہ داڑھی بھی ایک سائن بورڈ ہے کہ یہ مسلمان ہے عالم ہے اور سنت پر عمل پیرا ہے تو ہم سکول ماسٹر بن کر سب سے پہلے اس پر ہاتھ صاف کر لیتے ہیں اور وہاں جا کر نتیجہ تابع اخص ارذل کے ہوتا ہے۔ تو وہاں اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ جنید بغدادیؒ یا حضرت شبلیؒ مرض وفات میں نزع کا عالم ہے۔ وضو کرایا گیا تو خلال بھول گئے تو اصرار کیا کہ دوبارہ کرا دیں لوگوں نے کہا کہ یہ مستحب ہے اور آپ کی انگلیاں بھی منفک ہیں دوبارہ وضو میں بڑی تکلیف ہوگی۔ تو فرمایا جن درجات تک میں پہنچا ہوں تو یہ برکت اسی اتباع سنت کی ہے اب اللہ کی بارگاہ میں حضوری کے وقت اس مستحب کو چھوڑ دوں تو اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ اللہ پوچھے گا اسے جنید یہ مستحب کیوں ترک کر دی؟ تو علماء عابدین صالحین مستحب بھی ترک کرنے کے روادار نہیں ہوتے اور کچھ لوگ ایسے بدقسمت بھی ہیں کہ فارغ ہو کر اہل فتن ہو جاتے ہیں اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ اللہ نے ہم پر جو یہ فضل و کرم فرمایا ہم اس کے نہایت شکر گذار اور ممنون ہیں۔

آگے اجازت حدیث دیتے ہوئے اپنے اکابر کی سند بیان کی اور فرمایا

چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ وہ عالم پاک تھا اکابر کا، ہم ان کے خاک پا بھی نہیں ہیں تو میں ان اکابر کی دی ہوئی اجازت آپ کو بھی دیتا ہوں بشرطیکہ یہ ہے کہ خوب مطالعہ کریں متکلف نہ بنیں اور جو آتا ہے وہ پڑھائیں ۔۔۔ اختتام پر طویل دعا ہوئی ۔

بحث ونظر

جناب مولانا محمد طاسین صاحب مجلس علمی کراچی

کیا بنکاری کا نیا نظام اسلامی ہے؟

علماء کرام کے لئے توجہ طلب مسئلہ

پاکستان میں اسلامی نظام معیشت کے قیام کے سلسلہ میں بنکاری نظام کی کچھ نئی صورتیں (پی ایل ایس وغیرہ) قائم کی گئی ہیں اور بعض صورتوں کے مطابق نظام بنکاری کو عنقریب تبدیل کرنے کے اعلانات ہو رہے ہیں۔ بعض ماہرین علماء کو موجودہ شکل کے اسلامی ہونے پر بھی اطمینان نہیں۔ اور اس کو صحیح اسلامی خطوط پر ڈالنے کی تجاویز بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔ ملک کے ممتاز عالم مولانا محمد طاسین صاحب جنہیں معاشیات کے موضوع سے خاص شغف ہے اس موضوع پر اظہار خیال فرماتے ہیں۔ ادارہ الحق اس سلسلہ میں اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے ملک کے علماء اور ماہرین معاشیات سے اپیل کرتا ہے کہ اس موضوع پر ٹھوس اور تحقیقی انداز میں اظہار خیال فرمائیں الحق کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)

اس توجہ طلب مسئلہ سے میری مراد وہ مسئلہ ہے جو پاکستان میں نظام بنکاری کی اس نئی شکل کے حوالے سے وجود میں آیا ہے جس کے مطابق عنقریب موجودہ نظام بنکاری کو تبدیل کیا جانے والا ہے۔ کہ نظام بنکاری کی یہ نئی تبادل شکل غیر سودی اور اسلامی ہے۔ باوجودیکہ موجودہ رائج شکل جسے سودی اور غیر اسلامی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور قائم کی جانے والی نئی متبادل شکل میں کوئی حقیقی، جوہری اور بنیادی فرق نہیں۔ دونوں اپنے اجزائے ترکیبی، اصول وقواعد اغراض ومقاصد اور اپنے عملی اثرات ونتائج میں برابر ویکساں ہیں۔ اگر کسی چیز کا محض نام بدل دینے اور الفاظ کے تغیر وتبدل سے اس چیز کی حقیقت اور خاصیت بدل سکتی اور اس کا شرعی حکم مختلف ہو سکتا ہے تو پھر بنکاری کی یہ نئی متبادل شکل بھی غیر سودی اور اسلامی ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ زہر کو تریاق کہنے سے زہر تریاق اور سیاہ کو سفید کہنے سے سیاہ سفید بن گیا ہو لہٰذا جو معاملہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے ربوٰ اور سود ہے اسے شرکت اور مضاربت کہہ دینے سے کبھی شرکت و مضاربت نہیں بن سکتا۔ اور نہ وہ حرام سے حلال ہو سکتا ہے

بہر حال جہاں تک میرے مطالعے اور علم و فہم کا تعلق ہے میں نظام بنک کاری کی نئی مجوزہ شکل کو بھی سودی اور غیر اسلامی سمجھتا ہوں ۔ لیکن چونکہ یہ مسئلہ اپنے نتائج و اثرات کے لحاظ سے بڑا اہم اجتماعی مسئلہ ہے لہذا میری گذارش ہے کہ محقق علماء کرام اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں ۔ اور اس کے تمام پہلوؤں کا تحقیقی اور تفصیلی جائزہ لے کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتماعی اجتہاد کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ بنک کاری کی یہ جو نئی مجوزہ متبادل شکل ہے غیر سودی اور اسلامی ہے یا سودی اور غیر اسلامی ؟ اگر اجتماعی فیصلہ اس کے سودی اور غیر اسلامی ہونے کا ہو تو پھر اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر اس کا اظہار و اعلان کیا جائے تاکہ مسلمان سودی کو غیر سودی اور حرام کو حلال سمجھنے کے دھوکے اور مغالطے سے بچ جائیں ۔ اور اسلام کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ ہو ۔ جس سے اس کی عظمت شان پہ کوئی حرف آسکتا ہو ۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر اس نئے متبادل نظام بنک کاری کو غیر سودی اور اسلامی کے نام سے نہ پیش کیا جاتا تو نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا اور نہ علماء کو اس کا نوٹس لینے ، اس کی طرف توجہ دینے اور اس پر بحث و تحقیق کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی ۔ آخر موجودہ نظام بنک کاری بھی تو ایک زمانہ سے قائم اور چل رہا ہے ۔ علماء نے کب اس کے خلاف احتجاج بلند کی ۔ اور اسے ایک مسئلہ بنایا ۔ لیکن اس کا کیا جائے کہ اس نئے مجوزہ نظام بنکاری کو پورے زور و شور کے ساتھ غیر سودی اور اسلامی کے عنوان سے متعارف کرایا جا رہا ہے ۔ جو حقیقت واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے ۔ اور پھر اس غلط بیانی کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا تھا اگر نظام بنک کاری میں اس نئی تبدیلی سے یہ توقع ہوتی کہ اس کے ذریعے معاشرے کی موجودہ معاشی حالت میں خوشگوار تغیر و تبدل ظاہر ہوگا ۔ اور اس معاشی ناہمواری اور اقتصادی اونچ نیچ میں کچھ کمی نمودار ہوگی جو اس وقت ہمارے معاشرے میں تشویشناک حد تک پائی جاتی اور بکثرت معاشرتی برائیوں کا باعث ہے ۔ بالفاظ دیگر اس تبدیلی سے عام آدمی کی معاشی پریشانی کچھ کم ہو کر اسے فائدہ پہنچے گا ۔ اور اس کی معاشی حالت بہتر ہوگی ۔ لیکن یہ تبدیلی ایسی ہے جس میں کسی ایسی توقع کی صلاحیت ہی نہیں ۔ اس کے بعد بھی معاشی صورت حال ویسی ہی رہتی ہے جیسی اس وقت موجود ہے ۔ بنکوں سے تعلق رکھنے والی دولت کی گردش انہی لوگوں تک محدود رہتی ہے جن تک اس تبدیلی سے پہلے محدود ہے ۔ جس طرح موجودہ نظام بنک کاری سے ایک طرف اُن کھاتہ دار افراد کو فائدہ پہنچتا ہے جو ضرورت سے زائد مال رکھتے اور اسے مزید بڑھانے کی غرض سے بنک کو دیتے ہیں اور دوسری طرف اُن متمول کاروباری لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے ۔ جو اپنے تمول میں اضافہ کرنے کے لئے بنک سے سودی قرضے لینے اور کاروبار چمکاتے ہیں ۔ ٹھیک اسی طرح اس نئے متبادل نظام بنک کاری کا فائدہ بھی انہی مذکورہ دو قسم کے لوگوں تک محدود رہتا ہے ۔ ایک عام آدمی جو اپنے پاس بنک میں کھاتہ کھولنے کے لئے ضرورت سے زائد مال نہیں رکھتا ۔ یا جو نادار ی کی وجہ سے بنک سے قرضہ نہیں لے سکتا ظاہر ہے کہ اسے اس متبادل نظام بنک کاری سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا ۔ اور

چونکہ ایسے افراد کی تعداد معاشرے میں نوے فیصد سے کم نہیں۔ لہٰذا یہ تبدیلی معاشرے کی عظیم اکثریت کے لئے بیکار اور غیر مفید ثابت ہو کر رہے گی۔

غرضیکہ اس میں بہی خواہانِ اسلام کے لئے تشویش و فکر مندی کا پہلو یہ ہے کہ اسلام کے نام پر کی گئی اس تبدیلی سے جب معاشرے کی موجودہ معاشی حالت میں کوئی خوشگوار تغیر رونما نہ ہوگا اور عام آدمی کی معاشی پریشانی میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی تو مخالف اسلام سوشلسٹ قسم کے لوگوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا غنیمت موقع ملے گا اور وہ جاہل عوام کو اسلام سے متنفر کرنے کے لئے کہیں گے کہ اسلام کا معاشی نظام بھی بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے۔ جو غریب عوام کے مقابلہ میں سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرتا اور ان کی بہتری اور ترقی چاہتا ہے۔ سوائے صدقہ وخیرات کے اس کے پاس معاشی لحاظ سے پس ماندہ غریب عوام کے لئے اور کچھ نہیں تم نے دیکھ لیا اسلام کے نام سے یہاں معاشی رد و بدل ہوا اس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچا۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں سوشلزم کا مقصد تمہاری معاشی حالت بہتر بنانا اور تمہارے لئے ترقی کے مواقع مہیا کرنا ہے۔ اور اس کا روشن ثبوت وہ معاشی حالات ہیں جو سوشلسٹ ممالک کے اندر عملی طور پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وہاں ہر ایک کے لئے غذا، لباس، مکان اور مفت تعلیم اور علاج کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے پروپیگنڈے سے غریب عوام کا متاثر ہونا اور پھر اسلام سے دور اور سوشلزم کے قریب ہو جانا ایک قابل فہم اور قدرتی امر ہے۔ نیز اس سے اسلام کی نیک نامی پر مضر اثر پڑنا بھی قدرتی بات ہے۔

بنا بریں ضروری ہو جاتا ہے کہ علماء کرام، اسلام کے نام سے کی جانے والی اس قسم کی فضول معاشی تبدیلیوں کا نوٹس لیں اور ان کی صحیح شرعی حیثیت واضح کر کے مسلمانوں کو اس کے مضرات ونقصانات سے آگاہ کریں۔ اور اگر تساہل وغیرہ کی وجہ سے علماء کرام ایسا نہیں کرتے اور خاموش رہتے ہیں تو آگے چل کر اس کے بُرے نتائج وعواقب سامنے آئیں گے۔ اُن کا بہت بڑی حد تک علماء کرام کو ذمہ دار گردانا جائے گا۔ اور انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

راقم الحروف اپنے علماء کرام کے سامنے نظام بنک کاری کی نئی متبادل شکل کی تفصیلی وضاحت سے پہلے ایک بات اپنے اربابِ اقتدار کی خدمت میں بھی اخلاص و دردمندی کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آج اشتراکیت اور سرمایہ داری کے مابین نزاع وکشمکش کے نتیجہ میں دنیا بھر کے اندر عموماً اور ہمارے ارد گرد خصوصاً جو حالات پائے جاتے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ہم پاکستان میں اسلام کے نام سے جو معاشی اصلاحات تجویز کریں اور جو تبدیلیاں عمل میں لائیں وہ ایسی ہونی چاہئیں جن سے نچلے درجہ کے پس ماندہ عوام کی معاشی حالت بہتر بن سکتی اور اس غیر فطری معاشی نشیب وفراز اور اونچ نیچ میں کچھ کمی آسکتی ہو۔ جو اس وقت ہمارے پاکستانی معاشرے میں موجود اور بے شمار معاشرتی سیاسی اور ثقافتی برائیوں اور اخلاقی بدعنوانیوں کا سبب اور منبع ہیں۔ اور جس کے ہوتے ہوئے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی تمنا و آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اور معاشرے کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر

نہیں ہو سکتا۔ ایسی معاشی اصلاحات اور تبدیلیوں سے ہمیں احتراز برتنا چاہئے جو جزوی اور سطحی قسم کی ہوں اور جن کا فائدہ عظیم اکثریت کی بجائے ایک معمولی اقلیت کو پہنچتا اور دولت مند لوگوں کی دولت وثروت میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہوں۔ دیکھا جائے تو نظام بنک کاری میں مجوزہ تبدیلی اور اصلاح بھی اسی قسم کی ہے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ بلاشبہ ایک اسلامی معاشرے سے ربٰو و سود کا ختم کرنا از بس ضروری ہے لیکن اسے ختم کرنے سے پہلے یہ جاننا اور متعین کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ربٰو اور سود کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت کیا ہے اور کیا نہیں؟ اور یہ کہ جس ظلم و استحصال کی وجہ سے ربٰو کو قرآن و حدیث نے حرام ٹھہرایا ہے وہ نظام بنک کاری کے علاوہ معاش کے دوسرے شعبوں مثلاً تجارت، صنعت اور زراعت میں کہاں کہاں اور کن کن شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لئے جو اسلام کے مطابق معاشرے کی اصلاح کرنا اور اس کے اندر معاشی تبدیلیاں عمل میں لانا چاہتے ہوں اس حکمت عملی اور حکیمانہ طریق کار کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ جیسے ایک فاسد اور بگڑے معاشرے کی اصلاح کے سلسلہ میں پوری طرح ملحوظ و مدنظر رکھنے کی اسلام میں تعلیم اور تاکید ہے اور جس کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بگڑے معاشرے کی بتدریج اصلاح فرما کر اس کا پورا ڈھانچہ بدلا۔ اور امت مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ اس کے مصلحین جب بھی کسی بگڑے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہیں تو میری اس حکمت عملی اور سنت کو پوری طرح سامنے رکھیں اور اس کے مطابق اصلاحی تبدیلیاں عمل میں لائیں تاکہ جو اصلاحی تبدیلی عمل میں آئے استحکام و پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور مخالف ردعمل سے اس کا فائدہ، نقصان سے نہ بدلے جو ہمیشہ فائدہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعہ اور علم و فہم کا تعلق ہے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ماہرین اقتصادیات کے پینل نے بلا سود بنک کاری سے متعلق جو رپورٹ مرتب کی اور کتابی شکل میں سامنے آئی ہے اس میں نہ ربٰو اور سود کی حقیقت کو کما حقہ سمجھا گیا اور نہ اس علت کو جس کی وجہ سے ربٰو و سود حرام ہے۔ دراصل اس سلسلہ میں جس غیر معمولی مطالعے غور و فکر اور ریسرچ و تحقیق کی ضرورت تھی۔ غالباً پینل کی اکثریت کو اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے اس کا پورا موقع نہیں مل سکا۔ اور اگر کچھ ممبروں کو اس کا موقع ملا تو افسوس کہ ان کی آراء کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا اور نظرانداز کر دیا گیا جیسے محترم شیخ محمود احمد کی رائے کو جو اسلامی نقطۂ نظر سے درست اور صائب رائے تھی اور جو اس رپورٹ کے ساتھ نہیں بلکہ بعد میں الگ شائع ہوئی۔ اور اخبار جسارت کے ذریعے منظر عام پر آئی۔ بہرحال مجھے ان حضرات کی نیک نیتی اور اسلام دوستی کے بارے میں شک وشبہ نہیں۔ اسی طرح بحیثیت مجموعی ان کی علمی قابلیت کا بھی اعتراف ہے۔ لیکن جہاں تک ربٰو کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علت کا تعلق ہے اس کے صحیح شعور و ادراک سے یہ حضرات قاصر رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس میں ان کی توجہ نظری سے زیادہ عملی پہلو پر رہی اور انہوں نے اس فرق کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا جو نظریے اور اس کی تطبیق کے مابین

ہوتا ہے نیز انہوں نے اس غور و فکر میں معروضی سے زیادہ موضوعی طریقہ سے کام لیا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے اس کا زیادہ خیال رکھا کہ مسئلے کا حل ایسا ہونا چاہیئے جو معاشرے کے موجودہ حالات میں قابل عمل ہو۔ لیکن اس کا لحاظ نہیں رکھا کہ اس سے وہ عملی نتائج بروئے کار آ سکتے ہیں یا نہیں۔ بروئے کار لانا اسلام کا اصل مقصود ہے۔

اب میں اس نئے متبادل نظام بنک کاری کی کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی شرعی حیثیت کا تعین آسانی کے ساتھ کیا جا سکے :-

اس کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ بنک کا یہ ادارہ کوئی ایسا تعاونی اور رفاہی ادارہ نہیں جس کا مقصد بغیر کسی مادی معاوضے کے محض اللہ کی رضا اور اخروی اجر و ثواب کی خاطر خلق خدا کی خدمت کرنا اور اسے فائدہ پہنچانا ہو بلکہ یہ ایک کمرشل اور تجارتی ادارہ ہے جس کا مقصد دولت کمانا اور اپنے تموّل کو بڑھانا ہے۔ دوسرے کمرشل اداروں اور اس کمرشل ادارے کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ تجارت، صنعت اور زراعت وغیرہ کے کام کر کے نفع کماتے ہیں اور یہ زر و نقدی کے لین دین کے ذریعہ نفع کماتا ہے یعنی کم معاوضے پر کچھ لوگوں سے زر و نقدی لینا اور زیادہ معاوضے پر دوسرے لوگوں کو زر و نقدی دینا اور اس کی و بیشی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ چنانچہ اس پہلو سے موجودہ نظام بنک کاری اور اس متبادل مجوزہ نظام بنک کاری میں کچھ فرق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ موجودہ نظام بنک کاری کے لئے بھی یہی طے پایا ہے کہ اس کے لین دین کی قانونی حیثیت واجب الادا قرض کی ہوگی۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتا اور نہ ترقی کر سکتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ اس میں بھی یہی طے کیا گیا ہے کہ بنک اپنے کھاتہ داروں کو نفع کے نام پر جو زائد دے گا یا اپنے قرض داروں سے جو زائد لے گا اس کا تعین وقت اور رمال کی مقدار اور کمی بیشی کے لحاظ سے ہوگا۔ مثلاً سو روپے والے کھاتہ دار کے لئے ایک سال میں دس روپے زائد ہوں گے۔ تو چھ ماہ میں پانچ روپے اور دو سال میں بیس روپے زائد ہوں گے۔ اسی طرح اگر سو روپے والے کھاتہ دار کے لئے مثلاً سالانہ دس روپے زائد ہوں گے تو دو سو والے کے لئے سالانہ بیس پانچسو والے کے لئے سالانہ پچاس اور ہزار والے کھاتہ دار کے لئے سالانہ سو روپے زائد ہوں گے اور یہ طے پایا ہے۔ کہ اس زائد کے تعین کا اختیار فریقین معاملہ کو نہیں بلکہ اسٹیٹ بنک کو ہوگا۔ نیز یہ بھی طے پایا ہے کہ زائد کی ادائیگی معاملے کے اختتام پر نہیں بلکہ دوران معاملہ ہر چھ ماہ بعد ہوتی رہے گی۔ اسی طرح چونکہ اس میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ بنک کھاتہ دار کو اور قرضدار بنک کو ہر حال میں اس کی اصل رقم مع مقررہ اضافہ کے ضرور ادا کرے گا۔ لہٰذا معاہدہ کی رُو سے کھاتہ دار اور بنک دونوں کے لئے نقصان کا سرے سے کوئی احتمال ہی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح موجودہ نظام بنک کاری کے اندر کھاتہ دار کو بغیر کسی کام و محنت کے اور کوئی نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کے اصل پر کچھ زائد کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نئے مجوزہ نظام بنک کاری کے اندر بھی کھاتہ دار کو بغیر کسی کام و عمل کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی

ذمہ داری کے اصل پر زائد کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ اسی طریقہ سے مجوزہ نظام بنک کاری میں بھی یہ اصول مقرر ہے کہ بنک صرف ایسے کاروباری لوگوں کو قرضہ دے گا۔ جن کے متعلق اسے وثوق واعتماد ہو گا۔ کہ وہ کاروباری تجربہ، فنی مہارت اور دیانتداری کے ساتھ مالی طور پر ادائیگی کی صلاحیت رکھتے اور لئے ہوئے قرضہ کو بہتر اور مفید طور پر استعمال کر سکتے ہیں بالفاظ دیگر جن کے متعلق اسے پورا اعتماد ہو گا۔ کہ وہ قرض کی اصل رقم بھی ضرور واپس کریں گے۔ اور منافع کا طے شدہ حصہ بھی ضرور ادا کریں گے بلکہ اس نئے بنک کے لئے یہ بھی طے پایا ہے کہ وہ اپنے مقروض کاروباری لوگوں کے کاروبار پر برابر نگاہ رکھے گا۔ اور اپنے نمائندوں کے ذریعے مسلسل جائزہ لینا اور حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرتا رہے گا۔ بلکہ وہ اس میں ہر ایسی مداخلت کا مجاز ہو گا جس سے اصل سرمائے کے کامل تحفظ کے ساتھ مطلوبہ منافع کا حصول یقینی ہو سکتا ہو۔ بنا بریں اس نئے مجوزہ نظام بنک کاری میں بنک کے مفاد کے لئے جو قانونی تحفظات ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں جو موجودہ نظام بنک کاری میں مفاد بنک کے لئے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی طے ہے کہ نئے نظام بنک کاری میں بنک اپنے مقروض کاروباری فریق کے متعلق کوئی ایسی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا جس سے اس کے اصل مال اور مطلوبہ منافع میں کمی ونقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہو۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نئے نظام میں بھی بنک کے لئے قرضدار کی طرف سے نفع کے نام پر جو زائد لینا قرار پایا ہے اس کے عوض بنک کی طرف سے کوئی ایسا کام وعمل موجود نہیں جسے پیدا آور کام وعمل کہا جا سکتا ہو۔ بنک کا عملہ جو کام کار کرتا ہے وہ ایسا پیدا آور کام نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کاشتکار، صانع اور تاجر وغیرہ کا کام ہوتا ہے۔

سطور بالا میں نئے مجوزہ نظام بنک کاری کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نظام میں بنک کے معاملہ کی جو شکل کھاتہ داروں کے ساتھ اور جو شکل کاروباری قرضداروں کے ساتھ تجویز کی گئی ہے وہ شرعی طور پر مضاربت کی شکل ہے اور نہ معاملہ شرکت کی شکل۔ یعنی نہ مضاربت کی تعریف میں آتی ہے اور نہ شرکت کی تعریف میں۔ جن وجوہ کی بنا پر معاملہ مضاربت کی تعریف میں نہیں آتی۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس میں بنک کی حصہ دار سے جو مال لیتا اور کاروباری فریق کو جو مال دیتا ہے اس کی حیثیت واجب الادا قرض کی ہے۔ جب کہ مضاربت میں ایک فریق کا مال دوسرے فریق یعنی عامل مضارب کے پاس بطور امانت کے ہوتا ہے۔ شریعت کی رو سے قرض اور امانت کے درمیان جو وجوہ فرق ہیں اُن میں سے ایک یہ کہ قرض میں مال مُقرض کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں چلا جاتا ہے چنانچہ وہ اس میں ہر وہ تصرف کر سکتا ہے جو اپنے کسی دوسرے مال میں کر سکتا ہے۔ جب کہ امانت کی صورت میں مال، مال والے ہی کی ملکیت میں رہتا اور امین اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس کی مالک کی طرف سے اجازت نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ کہ اگر قرض کا مال کسی سبب سے ضائع اور تلف ہو جائے تو وہ مقروض کے حق میں ضائع وتلف ہوتا اور اس کا پورا نقصان تنہا اسے اٹھانا پڑتا ہے۔ مُقرض اس نقصان میں بالکل شریک نہیں ہوتا جب کہ اس کے برخلاف مال امانت اگر محافظ امانت کے پاس کسی غیر اختیاری سبب مثلاً ارضی وسماوی آفت وغیرہ سے تلف اور ضائع ہو جاتے

تو اس کا ضمان و تاوان محافظِ امانت پر نہیں آتا بلکہ پورا نقصان مالکِ امانت کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ وہ اسی کی ملکیت میں ہوتا ہے۔

اور چونکہ مضاربت میں مالِ مضاربت، عاملِ مضارب کے پاس بطورِ امانت ہوتا ہے لہٰذا اصل مال میں نقصان ہو جانے تو وہ نقصان پورے کا پورا رب المال کے حساب میں آتا ہے عاملِ مضارب اس میں شریک نہیں ہوتا۔ پھر یہی وجہ ہے کہ عاملِ مضارب اپنے تصرفات میں ان شرائط کا پابند ہوتا ہے جو رب المال کی طرف سے انعقادِ معاملہ کے وقت مقرر کی گئی ہوتی ہیں۔

یہی بات کہ بنک کے پاس کھاتہ دار کا اور کاروباری فریق کے پاس بنک کا جو مال ہوتا ہے بطورِ امانت نہیں بلکہ بطورِ قرض ہوتا ہے اس کا بیّن اور قطعی ثبوت یہ ہے کہ یہ مال بنک کے ذمے کھاتہ دار کے لئے اور کاروباری فریق کے ذمے بنک کے لئے پورے کا پورا واجب الادا ہوتا ہے جو عند الطلب اسے ضرور ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور جو مال، لینے والے پر دینے والے کے لئے پورے کا پورا واجب الادا ہوتا ہے وہ عرفاً، شرعاً، اور قانوناً قرض ہی کی تعریف میں آتا ہے اور اس کا نام خواہ کچھ بھی رکھا جائے وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے قرض ہوتا ہے۔ ایسا مال امانت کی تعریف میں اس لئے نہیں آتا کہ امانت کا مال اس صورت میں واجب الادا نہیں ہوتا جب کسی غیر اختیاری سبب سے ضائع و تلف ہو جائے حالانکہ قرض کا مال بہر صورت واجب الادا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں امانت کی حفاظت پر امانت والا، محافظ کو اپنے پاس سے کچھ دیتا ہے نہ کہ الٹا اس سے کچھ لیتا ہے۔ اسی طرح یہ مال، مالِ اجارہ کی تعریف میں بھی نہیں آتا۔ کیونکہ مالِ اجارہ صرف وہ مال ہو سکتا ہے جو استعمال ہونے سے گھستا، فرسودہ ہوتا اور قدر و قیمت میں گھٹتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محض استعمال ہونے سے زر و نقدی کی قدر و قیمت میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے استعمال پر کوئی کرایہ وصول نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری چیز جس کی وجہ سے بنک کا معاملہ مذکورہ مضاربت کی تعریف میں نہیں آتا یہ کہ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ بنک اپنے کھاتہ دار کو اور کاروباری فریق بنک کو نہ صرف یہ کہ اس کی اصل رقم ضرور ادا کرے گا بلکہ اصل پر کچھ زائد بھی ضرور ادا کرے گا۔ حالانکہ مضاربت میں عاملِ مضارب، رب المال سے ایسا کوئی عہد و پیمان نہیں کر سکتا کہ معاملہ ختم ہونے پر وہ اس کو پورے اصل کے ساتھ کچھ زائد بھی ضرور دے گا ورنہ تو پھر ربوٰا اور مضاربت کے درمیان کچھ فرق ہی باقی نہیں رہتا۔

تیسری چیز جو بنک کے معاملہ مذکور کو مضاربت کی تعریف سے خارج کر دیتی ہے یہ کہ اس میں بنک کی طرف سے کھاتہ دار کے لئے اور بنک سے قرض لینے والے کاروباری فریق کی طرف سے بنک کے لئے نفع کے نام سے جو زائد مقرر کیا گیا ہے وہ مال اور وقت کی مقدار و کمیت کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ یعنی اس میں زائد کے تعین کا معیار مال اور مدت کی مقدار اور کمی و بیشی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ مضاربت میں یہ طے پاتا ہے کہ اگر

نفع ہوا تو اس صورت میں وہ رب المال اور مضارب کے مابین نسبتی حصہ سے تقسیم ہوگا۔ مثلاً نصف نصف یا ایک کو تہائی اور دوسرے کو دو تہائی یا ایک کو چوتھائی اور دوسرے کو تین چوتھائی وغیرہ اس میں کسی فریق کے لئے تعداد و مقدار کے لحاظ سے متعین رقم مقرر کرنا جائز نہیں ہوتا اور ایسا کرنے سے معاملہ فاسد یا باطل ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ مضاربت میں مال والے فریق کے لئے نفع کا تعین مال کی مقدار اور مدت کی مقدار سے نہیں ہوتا بلکہ نفع کے ایک مفسدہ نسبتی حصہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ لہذا بعض دفعہ کم مقدار کے مال پر تھوڑے وقت میں اسے اتنا زیادہ نفع مل جاتا ہے کہ دوسری دفعہ اس سے کئی گنا زیادہ مال پر اور طویل وقت میں بھی اتنا نہیں ملتا۔ اور بعض دفعہ سرے سے کچھ ملتا ہی نہیں اور کبھی زیادہ تو در کنار الٹا اصل میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ مثلاً کبھی رب المال کو ایک ہزار روپے پر ایک ماہ میں اتنا زیادہ مل جاتا ہے کہ دوسری دفعہ دس ہزار روپے پر بھی اتنا نہیں ملتا۔ چنانچہ یہ زائد نفع کبھی اصل مال کا ایک فیصد بھی ہو سکتا ہے کبھی پانچ فیصد اور کبھی پچاس فیصد بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک ہفتہ میں بھی ہو سکتا ہے اور ایک ماہ اور ایک سال میں بھی۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر مضاربت میں نسبتی حصہ کی بجائے رب المال کے لئے اس کے سرمائے کے فیصد وغیرہ کے لحاظ سے متعین رقم مقرر کر دی جائے تو یہ مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔

چوتھی چیز جو معاملہ زیر بحث کے مضاربت ہونے کی نفی کرتی ہے یہ کہ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کاروبار کے اندر نقصان کی صورت میں کاروباری فریق بھی نقصان میں شریک ہوگا۔ حالانکہ مضاربت میں یہ متفقہ امر ہے کہ بصورت خسارہ و نقصان، پورا خسارہ اور تمام تر نقصان رب المال یعنی مال والے فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ عامل مضارب یعنی کام کرنے والا فریق اس میں بالکل شریک نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر اس کو اس میں شریک ٹھہرایا جائے تو مضاربت باطل اور فاسد ہو جاتی ہے۔

پانچویں چیز جس کی وجہ سے معاملہ مذکور مضاربت کا مصداق نہیں ٹھہرتا یہ کہ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کھاتہ دار کو دوران معاملہ ہر چھ ماہ کے بعد مقررہ منافع دیا جاتا رہے گا۔ جب کہ فقہاء حنفیہ کا اس پہ اتفاق ہے۔ کہ مضاربت میں فریقین کے درمیان منافع کی تقسیم اختتام معاملہ پر ہی ہو سکتی ہے۔ معاملہ قائم اور جاری رہتے ہوئے درمیان میں نہیں ہو سکتی۔

ان مذکورہ وجوہ کے علاوہ کچھ اور وجوہ بھی ہیں۔ جن کی بنا پر معاملہ زیر بحث، مضاربت صحیحہ کی تعریف میں نہیں آتا۔ جیسے مال مضاربت کو تجارت بمعنے خرید و فروخت کے علاوہ صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ میں لگانا رب المال کی اجازت کے بغیر اس کے سرمائے کے ساتھ اپنا سرمایہ بھی شریک کر لینا یا دوسرے کسی کو مضاربت پر دے دینا، عامل مضارب کا خرید و فروخت کا اصل کام کرنے کی بجائے کسی اور سے اجرت پر کرانا وغیرہ لیکن چونکہ ان وجوہ کے متعلق خود فقہاء کرام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے لہذا انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسی طرح معاملہ مذکور شرکت کا معاملہ بھی نہیں۔ شرکت اور مضاربت کے مابین شرعی طور پر جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ مضاربت میں ایک فریق کا مال ہوتا ہے۔ اور دوسرے فریق کا تجارتی کام وعمل جب کہ شرکت الاموال میں ہر فریق کا مال بھی ہوتا ہے اور کام وعمل بھی۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ نقصان کی صورت میں مضاربت کے اندر پورا نقصان مال والے فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کام وعمل والا فریق اس میں شریک نہیں ہوتا جب کہ معاملہ شرکت میں دونوں فریق نقصان میں بھی شریک اور حصہ دار ہوتے ہیں۔

جن وجوہ کی بنا پر بنک کا وہ معاملہ جس کی پہلے تفصیل کے ساتھ شکل پیش کی گئی ہے شرکت کا معاملہ نہیں اُن میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک فریق کا نہ تجارتی کام وعمل ہے اور صنعتی کام وعمل، یعنی کھاتے دار کا سرے سے کوئی کام وعمل ہے ہی نہیں۔ جہاں تک بنک کا تعلق ہے اس کے اسٹاف اور عملے کا ضرور کام وعمل ہے لیکن وہ انتظامی نوعیت کا ہے۔ براہِ راست تجارتی اور صنعتی کام وعمل نہیں۔ تجارتی اور صنعتی کام وعمل صرف ان لوگوں کا ہے جو بنک سے مال قرض لے کر تجارتی اور صنعتی کاروبار کرتے ہیں۔

دوسری وجہ اس معاملے میں شرکت کا معاملہ نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس میں ایک فریق کا مال دوسرے کے پاس بطور قرض ہوتا ہے جب کہ معاملہ شرکت میں کسی شریک کا مال دوسرے کے پاس قرض نہیں ہوتا بلکہ امانت کی طرح ہوتا ہے۔ چنانچہ ضائع و تلف ہو جانے کی صورت میں کسی پر تاوان نہیں آتا۔

تیسری وجہ یہ کہ اس میں ایک فریق یعنی بنک کھاتہ دار کو اور کاروباری فریق بنک کو یقین اور اطمینان دلاتا اور ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ ایک متعین مقدار میں اس کو نفع ضرور مہیا کرے گا حالانکہ معاملہ شرکت میں کوئی شریک دوسرے شریک کو کوئی ایسی ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ اسے ایک متعین مقدار میں نفع ضرور مہیا کرے گا۔

چوتھی وجہ اس کے شرکت نہ ہونے کی یہ کہ اس میں ایک فریق کے لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ اس کو اس کے سرمائے کے فیصد کے حساب سے سالانہ آٹھ یا دس فیصد زائد بطور نفع ملے گا جب کہ معاملہ شرکت میں یہ طے ہوتا ہے کہ اگر نفع ہوا تو شرکاء کے مابین اس نسبتی حصہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔ جو شروع میں ان کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پایا تھا۔ یعنی نصف نصف یا ایک تہائی اور دو تہائی وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیز شرکت کے منافی ہے کہ اس میں ایک شریک کے لئے اس کے سرمائے کی مقدار کے لحاظ سے اور وقت کے پیمانے سے نفع کا تعین کیا جائے۔

بہرحال فقہاء اسلام کے نزدیک شرکۃ العقد اور شرکۃ المعاملہ کی جو معنوی حقیقت اور اصطلاحی تعریف ہے اس کی رو سے بنک کا معاملہ مذکور شرکت کے تحت نہیں آتا۔ نہ شرکت اموال کے تحت اور نہ شرکت وجوہ اور شرکت ابدان و شرکۃ الصنائع کے تحت۔ اسی طرح نہ وہ شرکۃ العنان کا مصداق ہے اور نہ شرکۃ المفاوضہ کا مصداق، لہذا اس معاملے کو نفع و نقصان میں شرکت کا معاملہ کہنا۔ لغۃً درست ہو تو ہو لیکن شرعاً کسی طرح درست

نہیں، اور پھر چونکہ اس کہنے سے ایک عام مسلمان کو جو شرکت کا شرعی مفہوم نہیں جانتا شرکت کا دھوکہ لگتا ہے اور وہ اسے شرعی شرکت سمجھ کر اختیار کرتا اور گمراہی کا شکار ہوتا ہے لہذا اس معاملے کو شرکت کے لفظ سے ہرگز موسوم اور تعبیر نہیں کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک چیز یہ بھی واضح رہے کہ ادارہ بنک کو اپنے کھاتہ داروں کو نائب اور وکیل تجارت سمجھنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ بنک کا ادارہ اپنا ایک مستقل قانونی وجود رکھتا ہے جس کے اپنے اصول وضوابط اور قواعد و قوانین ہیں جن کے مطابق وہ اپنے امور و معاملات طے کرتا اور اپنی گاڑی چلاتا ہے وہ کھاتہ داروں کی مرضی کا پابند نہیں بلکہ کھاتے دار اس کی مرضی کے پابند ہوتے ہیں۔ اور پھر بنک کی بجائے خود اپنی بھی ایک مستحکم مالی پوزیشن ہوتی ہے۔ لہذا وہ کسی طرح اس شخص کی مانند نہیں ہوسکتا جو تجارت میں کسی کا نائب اور وکیل ہوتا ہے۔ کتب فقہ میں نیابت وو کالت کی حقیقت اور اس کے ارکان و شرائط وغیرہ کے متعلق جو تفصیل ہے اس کے مطابق بنک کا یہ ادارہ، نائب اور وکیل کی تعریف میں نہیں آتا۔

مثلاً ایک وجہ یہ ہے کہ تجارت میں نائب اور وکیل کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ قرض کے طور پر نہیں بلکہ امانت اور ودیعت کے طور پر ہوتا ہے۔ جب کہ بنک کے پاس کھاتہ دار کا مال بطور قرض ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تجارت میں جو کسی کا نائب اور وکیل ہوتا ہے وہ اپنے تصرفات میں اس کی ہدایت اور مرضی کا پابند ہوتا ہے جو اسے اپنا نائب اور وکیل مقرر کرتا ہے۔ جب کہ بنک اپنے کھاتہ دار کی ہدایت اور مرضی کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی مرضی اور اپنے اصول و قواعد کا پابند ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ نئے مجوزہ نظام بنک کاری میں بنک کا جو معاملہ اپنے کھاتہ داروں کے ساتھ یا جو معاملہ اپنے کاروباری قرضداروں کے ساتھ تجویز کیا گیا ہے نہ شرعی طور پر مضاربت کا معاملہ ہے اور نہ شرکت کا معاملہ۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اپنے اجزاء ترکیبی اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربو ہی کا معاملہ ہے لہذا اس معاملے کی بنیاد پر استوار کیا ہوا نظام بنکاری ہرگز اسلامی نظام بنک کاری نہیں ہوسکتا۔ اسے اسلامی نظام بنک کاری کہنا اسلام کو بدنام کرنا اور اس کے تقدس کو نقصان پہنچانا ہے۔

حضرات علماء کرام کی اطلاع کے لئے یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ اس نئے متبادل نظام بنکاری میں علاوہ اس معاملہ کے جس پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے بنک کے لئے سرمایہ کاری کے چند اور طریقے اور معاملے بھی تجویز کئے گئے ہیں جن کی تفصیل بلا سود بنکاری سے متعلق رپورٹ میں پیش کی گئی ہے۔ اور جن کے مطابق آئندہ یہ بنک سرمایہ کاری کرے گا۔ جیسے پٹہ داری وغیرہ کے طریقے۔ ان میں سے کچھ کے متعلق ان مجوزین حضرات نے لکھا ہے کہ یہ غیر مسلم مغربی ماہرین اقتصادیات کے تجویز کردہ ہیں۔ اور فرانس، جرمنی اور جاپان وغیرہ میں ان طریقوں پر عمل درآمد بھی ہوچکا ہے

لیکن چونکہ ہمارے نزدیک سرمایہ کاری کے یہ طریقے شریعت اسلامی کے خلاف نہیں لہذا مجوزہ اسلامی نظام بنکاری میں ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

سرمایہ کاری کے ان طریقوں کے بارے میں جہاں تک میرے مطالعے، تجربے اور تحقیقی جائزے کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں ان میں سے ہر طریقہ اپنے اندر ربٰو و سود کا عنصر لئے ہوئے ہے۔ لہذا غیر اسلامی اور ناجائز طریقہ ہے۔ ان کو شریعت اسلامی کے مطابق کہنا دراصل اس غلط فہمی پر مبنی ہے جو ہمارے ماہرین اقتصادیات کے ذہنوں میں ربٰو و سود کے متعلق پائی جاتی ہے

سرمایہ کاری کے یہ طریقے درحقیقت ان لوگوں کے دماغ کی پیداوار ہیں جو نظام سرمایہ داری کو صحیح اور سود اور بالخصوص تجارتی نوعیت کے قرضوں پر سود کو اصولاً جائز سمجھتے ہیں اور سرمایہ کاری کے یہ طریقے انہوں نے سود سے بچنے کے لئے نہیں بلکہ مروجہ شرح سود سے کچھ زیادہ حاصل کرنے کے لئے ایجاد کئے ہیں۔

اسلام نے جس معاشی ظلم و حق تلفی کی وجہ سے ربٰو کو حرام قرار دیا ہے۔ سرمایہ کاری کے ان طریقوں میں اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ غور سے دیکھا تو ان کے اندر وہ قرض موجود ہے جو نفع کو کھینچتا ہے اور ان کی موجودگی میں وہ معاشی حالات معاشرے میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتے جو اسلام اپنی معاشی تعلیمات کے ذریعے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اسلام یہ چاہتا ہے کہ قومی ثروت صرف چند اغنیاء مالداروں کے درمیان ہی نہیں بلکہ قوم کے تمام افراد کے درمیان گردش کرے اور یہ کہ ملکی وسائل دولت اور ذرائع پیداوار پر ایک محدود طبقے کی اجارہ داری قائم نہ ہو۔ بلکہ سب کے لئے ان سے فائدہ اٹھانے کا آزاد موقع ہو۔ اور یہ کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسر ہوں۔ اور ہر ایک کے لئے معاشی ترقی کا بھی آزاد اور مساوی موقع ہو آگے اس کی مرضی کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ جب کہ سرمایہ کاری کے مذکورہ طریقے ایسے ہیں کہ ان پر جس معاشرے میں عام طور پر عمل ہو اس کے اندر قومی دولت اور وسائل دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹنا اور ذرائع پیداوار پر چند لوگوں کی اجارہ داری قائم ہونا لازمی اور قدرتی امر ہے۔ اسی طرح ایسے معاشرے میں ایسا غیر فطری قسم کا معاشی عدم توازن ظہور میں آنا ایک فطری بات ہے۔ جس سے گوناگوں برائیاں جنم لیتی اور پورے معاشرے کو بدامنی و بے چینی میں مبتلا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اور وہ پائیدار امن و سکون کسی کو نصیب نہیں ہوتا جو اسلام چاہتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ اس پر تقریباً تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ شریعت اسلام کا حقیقی ماخذ اور اصل سرچشمہ قرآن و حدیث اور کتاب و سنت ہیں اور یہ کہ زندگی کے ہر مسئلہ کے لئے قرآن و حدیث میں تفصیلی یا اجمالی ہدایت موجود ہے۔

اجمالی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں ہر شعبہ زندگی سے متعلق ایسے اصول کلیہ تمام و کمال

موجود ہیں ۔جن کی روشنی میں ہر نئے جزوی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔کہ وہ جائز ہے یا ناجائز ، اگر جائز ہے تو کس درجہ کا اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا ۔

لہٰذا مسئلہ زیر بحث کا شرعی حکم جاننے اور اس کی حیثیت متعین کرنے میں فقہی سواد کے ساتھ ان اصول و مبادی کا بھی ضرور لحاظ رکھا جائے جو معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن وحدیث میں ہیں اگر فقہی آرا و اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہو تو اس رائے اور قول پر اعتماد کیا جائے جو قرآن و حدیث کے اصول و مقاصد سے واضح مطابقت رکھتا ہو۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ استدلال میں کسی فقہی جزیے کلیے کو پیش کرنے کے بجائے قرآن وحدیث کی وہ نص پیش کی جائے جس سے وہ جزیہ کلیہ اخذ کیا گیا ہے۔تاکہ ذہنوں پر قرآن و حدیث کی عظمت قائم ہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اطاعت کا جذبہ دلوں میں ابھرے ۔نیز مسلمانوں کے اس بلند بانگ دعوے کا ثبوت فراہم ہو کہ قرآن و حدیث میں حیات انسانی کے ہر مسئلہ کے متعلق ہدایت اور روشنی موجود ہے ۔

مولانا برہان الدین سنبھلی

قسط دوم

شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کی تعلیم

اور

تفہیم میں حصہ

(ایک مختصر و محدود دائرہ)

قرآن حکیم کے ان علوم خمسہ میں غالباً سب سے زیادہ اہم علم "علم مخاصمہ" ہے کہ اسی پر فرق باطلہ کے عقائد کی تردید اور صحیح عقیدہ کا اثبات موقوف ہے۔ یہ موضوع بظاہر اگرچہ عام اور ہمیشہ سے علماء مصلحین کے زیر بحث رہا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں بھی شاہ صاحب کی انفرادیت و عبقریت نمایاں اور ان کی روش دوسروں سے ممتاز نظر آتی ہے توحید و شرک کے حدود و فروق پر اگرچہ شاہ صاحب کے پیش رو بہت سے ممتاز ترین علماء نے بھی کلام کیا ہے۔ اور بعض کا تو خاص موضوع یہی رہا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے بیان سے توحید و شرک کی حقیقت جس طرح منقح ہو کر سامنے آتی ہے اور کسی عالم کے بیان سے اس سے پہلے نہیں آئی۔

الفوز الکبیر میں تو یہ بحث مختصر گویا اجمالی اشارات کے انداز میں ملتی ہے۔ مگر اس کی پوری توضیح و تفصیل خود شاہ صاحب نے ہی حجۃ اللہ کے مباحث توحید و شرک میں کر دی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ اسی بحث کو پیش کرنا مقصود ہے شاہ صاحب نے توحید کے چار مراتب قرار دئیے ہیں۔

1. خداوند تعالیٰ کا وجود ہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے علاوہ کوئی اور ایسا نہیں ہے۔
2. آسمان و زمین نیز تمام بنیادی مادوں (جواہر) کی تخلیق بھی تنہا اسی ایک ذات نے کی ہے۔
3. زمین و آسمان کے درمیان (پورے عالم میں) جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ بھی تنہا اسی کے ارادۂ قدرت سے ہوتا ہے جسے وہ "تدبیر السموات والارض وما بینہما) سے تعبیر کرتے ہیں۔
4. عبادت (غایت درجہ تعظیم) کا خداوند تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی مستحق نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے دلائل کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ قرآن نے جن کو مشرک قرار دیا ہے۔ یعنی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو پہلے دو مرتبوں میں شرک کرتا ہو۔ کیونکہ خود قرآن مجید نے اس بارے میں صراحت

کی ہے کہ مشرکین بھی پہلے دو مرتبوں میں کسی کو خدا کا شریک نہیں مانتے تھے بلکہ تنہا خداوند تعالیٰ ہی کی ذات میں ان صفات کو منحصر سمجھتے تھے مثلاً قرآن نے کہا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ یا وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

بلکہ شاہ صاحب تو اس سے آگے بڑھ کر یہ بات بھی بڑے جزم سے فرماتے ہیں کہ ان دو مرتبوں کو آسمانی کتابوں میں زیر بحث لایا ہی نہیں گیا ہے۔ کیونکہ گذشتہ زمانہ میں بھی سب کے یہاں جب یہ تسلیم شدہ حقیقت تھی تو پھر اسے ثابت کرنے یا اس کو منوانے کی غرض سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

وھاتان المرتبتان لم تبحث الکتب الالٰہیۃ ولم یخالف فیھا مشرکو العرب ولا الیھود ولا النصاری بل القرآن ناص علی انھما من المقدمات المسلمۃ عندھم (حجۃ اللہ ص ۵۹ ج ۱)

البتہ بعد کے دو مرتبوں میں تدبیر و عبادت میں وہ لوگ شرک کرتے تھے۔ اور وہ قیاس الغائب علی الشاہد کے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح دنیا کا کوئی شہنشاہ اپنے کسی خادم یا ملازم کو اس کی اطاعت اور حسن کارکردگی پر خوش ہو کر کسی علاقے کا خود مختار حکمراں بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ شہنشاہ اس علاقے کے جزوی معاملات میں عموماً دخل نہیں دیا کرتا (اگرچہ دے سکتا ہے) اسی طرح خداوند تعالیٰ نے بھی اپنے بعض بندوں کو ان کی اطاعت و عبادت سے بہت زیادہ خوش ہو کر بعض تکوینی معاملات میں خدائی اختیارات دے دئے ہیں۔ اب وہ بندے اس محدود دائرہ میں خود مختار ہیں۔ اور وہ اسی طرح تصرف کرنے کے خدا کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کی بنا پر قادر ہو گئے ہیں جیسا کہ بڑے پیمانہ پر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے لئے "کن فیکونی قدرت" کی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ یعنی ان مزعومہ خدائی اختیار رکھنے والے، افراد کے محض ارادہ یا مجرد راضی ہونے (یا ناراض ہونے سے بھی) بغیر کسی عادی و ظاہری سبب کے اختیار کئے ہوئے تکلیف و حوادث اور خوش کن واقعات وجود میں آجاتے یا آسکتے ہیں۔ اسی عقیدہ کی بنا پر انہیں راضی رکھنے اور ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بزعم خویش، مشرکین ان کی عبادت کرتے اور ان سے استعانت، اسباب و وسائل کے بغیر کام بنانے کی قدرت مان کر مدد طلب کرتے ہیں (استعانۃ در امور ضرور یہ بقدرہ "کن فیکون" ایشاں تجویز می نمودند (الفوز الکبیر)

دراصل تدبیر و عبادت لازم و ملزوم ہیں جو بھی خداوند تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مدبر (یعنی کن فیکونی قدرت کا مالک) مانے گا وہ ضرور اسے راضی رکھنے کے لئے اس کی غایت درجہ تعظیم جس کا معروف نام عبادۃ ہے کرے گا۔ پھر اسی سے استعانت کرے گا۔ یہیں سے ایاک نعبد وایاک نستعین میں بیان کردہ استعانت و عبادۃ کا تلازم اور خداوند تعالیٰ ہی کی ذات میں دونوں کے انحصار کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحب نے یہیں پر بزرگ پرستی سے بت پرستی کی طرف ترقی کی بھی بہت حکیمانہ توجیہ ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب مشرکین نے کچھ لوگوں کو الوہی اختیارات کا مالک سمجھ لیا تو ان کی یادگار کے لئے انہیں کے ناموں پہ پتھر وغیرہ کے بت بھی بنا لئے۔ ابتداءً بتوں کو صرف قبلۂ توجہ سمجھا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ بعد کی نسلوں نے فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے پتھر کی مورتیوں کو ہی اصلی معبود قرار دے دیا۔

فنحتوا علی اسماءھم احجارا وجعلوھا قبلۃ عند توجہھم الی ھؤلاء فخلف من بعدھم خلف فلم یفطنوا للفرق بین الاصنام وبین من ھی علی صورۃ فظنوھا معبودات باعیانھا (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۹/۱)

شرک وتشبیہ کی بحث کے دوران شاہ صاحب نے اپنی اسی مختصر کتاب "الفوز الکبیر" میں یہود ونصاریٰ ستارہ پرستوں وغیرہ کی بنیادی فکری غلطیوں کی نشاندہی میں بڑی ہی وقت نظری اور وسعت مطالعہ کا ثبوت دیا ہے۔ یہ پوری بحث اس لائق تھی کہ یہاں پیش کی جاتی مگر قلت وقت اور مقالہ کا حجم نیز آپ حضرات کے اوقات کی گراں قدری مزید گفتگو سے مانع ہے۔

قرآن فہمی میں مدد دینے والی ایک حد تک بلکہ بڑی حد تک ایک ضروری چیز آیات کا شانِ نزول بھی ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات کا مطلب بغیر اس کے سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ عام کتب تفسیر میں اور اسی موضوع پر موجود متعدد مستقل کتابوں میں جس کثرت سے آیات کے شانِ نزول کا ذکر ملتا ہے اور جو بسا اوقات قرآن مجید کے صحیح مطالب تک رسائی کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ کیا وہ سب شانِ نزول بھی اسی قبیل کے ہیں کہ جن کے بغیر آیات کا مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا؟ اور جب متعدد شانِ نزول بیان کئے گئے ہوں تو قاری کا ذہنی انتشار میں مبتلا ہونا طبعی ہے۔ تو کیا ان سب کا جاننا بھی قرآن فہمی کے لئے ضروری ہے؟ شاہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ان سوالات کا جواب دینے اور اس الجھن کو رفع کرنے کے بڑے ہی کارگر طریقے بتا دئے ہیں۔ اور واضح کر دیا ہے کہ کتب تفسیر میں بیان ہونے والے تمام شانِ نزول یکساں نہیں ہیں۔ پھر اس سلسلے میں چند بہت ہی اہم اصولوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ سب کا ذکر اس مختصر مقالہ میں ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتا۔ بس ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

صحابہ اور تابعین عام طور پر جاہلیت کے زمانہ کی بعض عادات، یا مشرکین ویہود وغیرہ کے بعض واقعات بیان کر کے عموماً یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت کا اس بارے میں نزول ہوا تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بعینہ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد آیت اتری بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس جیسی صورت حال کے بارے میں اس آیت یا ان آیات سے راہنمائی ملتی ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے لئے ناسخ ومنسوخ آیات کی بحث بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور اس بارے میں متقدمین ہی سے اختلافات چلے آ رہے ہیں۔ فی نفسہ نسخ واقع ہونے نہ ہونے سے لے کر آیات منسوخہ کی تعداد

تک کے بارے میں اتنے زیادہ اختلافات کا ذکر کتب تفسیر میں ملتا ہے کہ عام قاری کا مشوش ہو جانا مستبعد نہیں مگر شاہ صاحب نے اس مشکل کو اس طرح حل فرما دیا ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ اختلافات کا مبنی معلوم ہو جاتا ہے بلکہ اختلافات کی اہمیت اور اس کی وجہ سے پیدا ہو جانے والی الجھنیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ اختلافات حقیقی نہیں بلکہ گویا لفظی یا یوں کہہ لیجئے کہ ناسخ و منسوخ اصطلاحات کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ:۔

متقدمین کے نزدیک ایک آیت کا دوسری آیت سے ادنیٰ درجہ میں متاثر ہو جانا بھی (مثلاً عام کا خاص، یا مطلق کا مقید ہو جانا۔ بلکہ ایک آیت سے جو معنی متبادر ہو رہے ہیں اگر دوسری آیت سے صرف اس تبادر پر اثر پڑا تو بھی ان کے نزدیک) نسخ کہلاتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے ان کے نزدیک آیات منسوخہ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ لیکن متاخرین کے نزدیک کوئی آیت اسی وقت منسوخ کہلاتی ہے جب کہ اس کے اندر بیان کردہ حکم کو پوری طرح دوسری آیت تبدیل کر دیتی ہو۔ پھر اس میں بھی نقطہ نظر کے فرق سے یہ اختلاف ہے کہ واقعتاً قرآن میں کوئی ایسی آیت کہ جس کا کوئی بھی اثر سوائے تلاوت کے مشروع ہونے کے باقی نہ رہا ہو۔ انہوں نے آیت منسوخہ کی قرآن مجید میں موجودگی سے انکار کر دیا۔ لیکن جنہوں نے یہ اصول طے کر لیا کہ متبادر طور پر مفہوم ہونے والا کسی آیت کا مرکزی حکم اگر دوسری آیت سے بدل گیا ہو تو وہ منسوخ کہی جائے گی۔ اور پھر انہوں نے دیکھا کہ بعض آیات پر یہ بات صادق آ رہی ہے تو انہوں نے ایسی آیات کو منسوخ قرار دے دیا۔

شاہ صاحبؒ کا جو نقطہ نظر الفوز الکبیر میں ظاہر ہو رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں منسوخ آیات کی تعداد کل پانچ ہے۔ مگر حکمت ولی اللہی کے ایک بہت بڑے عارف و شارح مولانا عبید اللہ سندھی کی تحقیق یہ ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک حقیقۃً ایک بھی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ان آیات منسوخہ کو بھی غیر منسوخ قرار دیا ہے۔ جو اکثر و بیشتر علماء کے نزدیک منسوخ تھیں اور ایسی آیات کے منسوخ نہ ہونے کی توجیہ بیان کر دی ہے۔ جن کی توجیہ بہت مشکل تھی۔ موصوف کا یہ بھی کہنا ہے۔ کہ شاہ صاحب نے پانچ آیتوں کے منسوخ ہونے کی بات مصلحۃً بیان فرمائی ہے۔ (کہ معتزلہ سے تشابہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ کلیتہً انکار کرتے تھے) اور جن آیات کو شاہ صاحب نے منسوخ مانا ہے ان کے غیر منسوخ ہونے کی توجیہ بہت آسان ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آیت کی توجیہ مولانا سندھی نے ذکر بھی کی ہے[1] لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی شاید بے محل نہ ہوگا کہ جن علماء نے قرآن مجید کی آیات کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے وہ اس لئے نہیں کیا کہ نسخ، ماننا کوئی عیب یا نقص کی بات ہے

---

[1] "الفرقان" شاہ ولی نمبر ص ۲۵۰۔

جیسا کہ آج کل بہت سے متنورین خیال کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک نسخ کی تعریف جب متحقق ہی نہیں ہوئی تو منسوخ آیات کے وجود سے انکار کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا۔

آخر میں جلیل القدر علماء اور فضلاء کے اس مجمع میں اپنی معروضات پیش کرنے کی جسارت اور حسن استماع پر پیش کرتے ہوئے ایک دلی خلش کا اظہار کر دینے کی بھی جرأت کر رہا ہوں وہ یہ کہ ہم سب کو بالخصوص آپ جیسے فضلاء و مفکرین اور ممتاز تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں کو اس حقیقت (جو اگرچہ بہت تلخ ہے مگر اس کا انکار بداہیت کا انکار ہوگا) پر غور کرنا ضروری ہوگا۔ کہ عرصہ سے ہماری ممتاز درس گاہیں بھی ایسے فضلاء تیار کرنے سے کیوں قاصر نظر آ رہی ہیں جو شاہ صاحب جیسی کسی کتاب کا پیش کرنا تو در کنار، ان کی کتابوں کو پورے طور پر سمجھنے کے بھی لائق ہوں اور میری تلخ نوائی کو معاف کیا جائے تو یہ بھی عرض کر دوں کہ موجودہ دور میں فارغ ہو کر نکلنے والے فضلاء کی اکثریت رازی و بیضاوی ہی کی نہیں ابن ہمام اور آلوسی کی کتابوں کے پوری طور سمجھنے میں بھی سخت مشکلات محسوس کرتی ہے اور اسی وجہ سے ان کے مطالعہ سے گریزاں نظر آتی ہے۔ اور اب بات مشکل مضامین ہی کی نہیں آسان مضامین کے بھی ایسی کتابوں سے اخذ کرنے کی صلاحیت سے بالکلیہ نہیں تو بڑی حد تک محرومی کے خطرہ تک جا پہنچی ہے۔ جو آسان بلکہ دلچسپ نہ ہوں۔ حالاں کہ ہمارے فضلاء ہی اسلاف کے سرمایہ کو خواہ وہ کیسے ہی مشکل اور غیر دلچسپ زبان و اسلوب میں ہو۔ آسان اور دلنشیں پیرایہ میں منتقل کر کے عوام کے قابل استفادہ بنانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر یہ کام مدارس کے فضلاء بھی نہیں کر سکے تو پھر کون ہے جو اس کا اہل ثابت ہوگا۔ اس طرح اپنی تاریخ مجید ہی سے نہیں اسلاف کے گراں قدر ذخیرہ سے محرومی اور اس کے نتیجہ میں عظیم خسارہ سے دوچار ہونے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہمارے لئے نہ رہ جائے گا اور شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ ترکی میں رسم الخط کے بدلنے سے اچانک جس خسارہ سے پوری قوم دوچار ہوگئی۔ ہماری علمی نسل رفتہ رفتہ چھوٹے پیمانہ پر اسی میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے بلکہ معتدبہ حد تک ہو بھی چکی ہے۔

آج جب کہ ہم مدارس کے نظام و نصاب تدریس کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو اس اہم مسئلہ پر غور کرنا ناچیز کے خیال میں اولین درجہ پر ضروری ہے۔ اور اگر ہم اس کا حل تلاش کرنے اور "سہل پسندی" کی عام بیماری کا علاج دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تنہا یہی کام ہمارے اجتماع کی عظیم کامیابی قرار پانے کا یقیناً مستحق ہوگا۔

اللهم وفقنا لما تحبه وترضاه وسدد،
خطانا واهدنا الى سواء الصراط

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
ذٰلک خیر
لباس التقویٰ
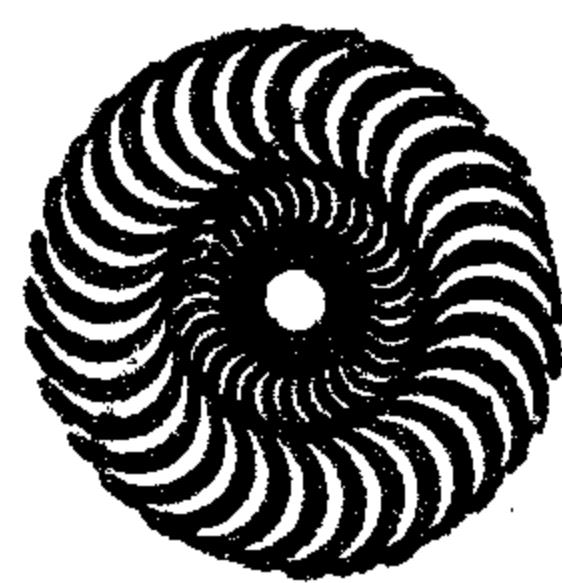
بیابہ مجلس شیخ الحدیث — ضبط و ترتیب :- مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی مجلس میں

اللہ پاک کی ذات ستارالعیوب ہے | ۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء مجمع کثیر تھا حضرت معتقدین میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے عرض کیا۔ حضرت! زیارت (کوئٹہ) سے حاضر ہوا ہوں وہاں کے فلاں بزرگ سلام عرض کر رہے تھے اور دعاؤں کی درخواست بھی۔ ارشاد فرمایا ہم تو کچھ نہیں ہیں لوگوں کا حسن ظن ہے۔ درحقیقت اللہ پاک کی ذات ستارالعیوب ہے۔ اگر عام لوگوں کو ہمارے عیوب معلوم ہو جائیں تو دور دور تک لوگ نفرت کریں۔ خدا سے معافی چاہتے ہیں اور دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ پاک ہمیشہ اپنی ستاری کے پردے میں تمام لوگوں کو ڈھانپ رکھے۔ اور خدا سے یہی دعا ہے کہ آخرت میں بھی ہمارے عیوب کو چھپا دے اور رسوائی و ذلت سے محفوظ فرمائے۔ آمین

گھٹنوں میں درد کا وظیفہ | ایک صاحب کے پاؤں میں درد تھا آپ نے دَم فرمایا اور اس کے ساتھ تمام حاضرین کو بسم اللہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ وسلطانہ من شر ما اجد واحاذر پڑھنے اور درد والے حصہ پر دَم کرنے کی اجازت فرمائی اور فرمایا:-

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ گھٹنوں میں درد ہے تو آپ یہی وظیفہ عمل میں لائے اور صحابی کو اس کی تعلیم فرمائی۔

مار زمزم کی فضیلت اور برکات | اکوڑہ خٹک کے ایک حاجی صاحب حج مبارک سے واپس تشریف لائے تو حضرت اقدس کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ مار زمزم کا ذکر چھڑا تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے مار زمزم میں برکت، شفائیت اور غذائیت رکھی ہے۔ آج کل ہماری ایمانی قوتیں کمزور ہو چکی ہیں۔ اس لئے وہ برکتیں بھی ظاہر نہیں ہوتیں۔ ایک دَور ایسا بھی تھا جب مکہ معظمہ میں نہ ہسپتال تھے نہ ڈاکٹر نہ طبیب۔ ایک ڈاکٹر نے کسی دوسرے ملک سے مکہ میں آکر مطب کھول دیا۔ مگر اس کے پاس کوئی ایک مریض بھی علاج کے لئے نہ آیا جب ڈاکٹر کو مایوسی ہوئی اور وجہ دریافت کی تب معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں سحری کے وقت آب زمزم کے کنوئیں کا منہ کھولا جاتا تھا اور اس کے بہتے پانی سے لوگ دیتے اپنے برتن بھر لیتے اور وہی پانی اپنے مریضوں کو پلا دیتے تھے جس سے مریض شفایاب ہو جایا کرتے تھے۔

ہمارے استاذ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ مظفر نگر کا ایک سفید ریش ڈاکٹر جب مکہ معظمہ میں زمزم کے کنوئیں پر جاتا تو پانی پیتے وقت یہ دعا کیا کرتا تھا کہ یا اللہ میری داڑھی کے بال سیاہ کر دے دس پندرہ روز بعد اس کی داڑھی میں سیاہ بال آنا شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر جب تک وہاں رہا یہی معمول جاری رکھا اچانک کسی ضرورت سے واپسی ہوئی۔ جب گھر لوٹا تو داڑھی میں آدھے بال سیاہ ہو چکے تھے۔ اس ڈاکٹر صاحب کو میں نے شیخ مدنی کی مجلس میں دیکھا تھا جب وہ آئے تھے تو خود حضرت ؒ نے ہمیں اس کا تعارف کرایا تھا۔ یہ تو ہمارے اساتذہ کرام کے دور کی بات ہے۔ رونا بھی آتا ہے اور افسوس بھی، کہ آج مسلمان، اسلام اور اس کی تعلیمات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں قلوب میں اسلامی احکام کی عظمت باقی نہیں رہی اسی لئے خدا تعالیٰ نے وہ برکات اور نتائج بھی لے لئے ہیں جو اگلوں پر ہوا کرتے تھے۔

فضلاء کو دعائیں اور تبلیغی جماعت کی تحسین

۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء بعد العصر قدیم مسجد دارالعلوم حقانیہ (مسجد حضرت شیخ الحدیث) اکوڑہ کے ایک اور صاحب اور ان کے ساتھ حج سے آنے والے دوسرے احباب حضرت شیخ کی مجلس میں حاضر تھے۔ حضرت نے حج سے آنے والے احباب کو مبارک دی۔ بغلگیر ہوئے اور پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اُن کی آمد پر مسرت اور خوشی کی کیفیت سے سرشار نظر آرہے تھے۔ حضرت نے فرمایا، کافی دنوں سے مجھے آپ لوگوں کا خیال آرہا تھا۔ انہوں نے عرض کی، حضرت ہم آپ کو دور سے دیکھ لینا اور زیارت کرنا اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔ آپ سے قریب آکر مصافحہ وغیرہ کی تکلیف دینا گوارا نہیں ہوتا۔ احقر کاتب الحروف کو اس موقعہ پر کسی شاعر کا ایک شعر یاد آیا فرماتے ہیں ؎

دیکھنا گر ہوا نہیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کا رسوا کرنا

ابھی یہ مجلس جاری تھی کہ تخت بہ قدر ضلع مردان سے دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کی جماعت حاضر ہوئی۔ حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر ملنا چاہا، مگر سب نے باصرار حضرت کو اٹھنے کی تکلیف نہ دی۔ لہٰذا حضرت بیٹھے رہے اور حاضرین باری باری مصافحہ کرتے رہے۔ جب مصافحہ سے فراغت ہوئی اور سب آرام سے بیٹھ گئے تو حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا۔

آپ سب حضرات ماشاء اللہ فضلاء اور علماء ہیں اور پھر آج اکٹھے ہو کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کو دیکھ دیکھ کر نئی زندگی محسوس ہوتی ہے۔ آپ سب گلشن دارالعلوم کے حسین پھولوں کا پیارا گلدستہ ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے علوم میں کثیر برکتیں نازل فرمائے۔ اور آپ کے علم کی خوشبو سے پوری دنیا اور کائنات کو معطر فرمائے۔

دارالعلوم حقانیہ کے استاد حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی تشریف فرما تھے۔ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ مولانا! یہ فضلاء جو تشریف لائے ہیں سب کا تعلق تبلیغ سے بہت گہرا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تبلیغ کا کام دارالعلوم حقانیہ میں بھی اساتذہ و طلبہ نے سنبھال لیا ہے۔ اساتذہ اور اکثر طلبہ جمعرات کو شب جمعہ کے لئے نوشہرہ جاتے ہیں دارالعلوم میں باقاعدہ طور مختلف احاطوں (ہاسٹل) میں تبلیغی گشت کرتے ہیں۔ مجھے اس خبر سے اور اساتذہ و طلبہ کی اس بابرکت حرکت سے بڑی مسرت ہوتی ہے۔

علم اللہ کے نور کا پرتو ہے | فرمایا! علم اللہ کی صفت ہے۔ علم اللہ کا دیا ہوا نور ہے بہت بڑی دولت اور بڑا سرمایہ ہے یہ اللہ کے نور کا پرتو ہے۔ جو علماء کو عطا ہوتا ہے۔ بعض نادان جب تحمل نہیں کر سکتے تو علم کی نسبت اپنی طرف کرنے لگتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم چو ما دیگرے نیست۔ حالاں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (الآیۃ) ہمیں تو اپنے نفس کا علم بھی نہ ہو سکا۔ کہ آیا بسیط ہے مرکب ہے یا مجرد ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جب علم آجاتا ہے تو کبر کے آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں وہ لوگ کامیاب ہیں جو کبر سے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تواضع اور دلالت علی الخیر | ارشاد فرمایا۔ آپ حضرات جو فراغت (تحصیل علم) کے بعد تعلیم و تدریس اور اس کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ نے جو تبلیغ کا کام شروع کیا ہے دربدر پھر جانا، بستر سر پر اٹھانا، اس راہ میں تواضع ہے عجز و انکساری ہے۔ واقعۃً اس کام سے اخلاق میں غرور کی بجائے تواضع پیدا ہوتی ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ۔

مولانا عبدالحلیم صاحب دیرویؒ مدرس دارالعلوم نے عرض کیا حضرت! گذشتہ جمعرات مردان کے ایک گاؤں میں تبلیغی سلسلہ میں جانا ہوا تو ایک مسجد جس کی تعمیر کا کام شروع تھا اپنی تقریر میں لوگوں کو ترغیب دی اسی وقت ۵۰۰۰ کا چندہ مسجد کے لئے اکٹھا ہو گیا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا مبارک ہو، دین کی خدمت ہے احیاء سنت ہے الدال علی الخیر کفاعلہ (نیکی اور خیر کے کاموں کا راستہ بتانے والے کرنے والوں کے ساتھ ثواب میں برابر کے شریک ہوتے ہیں)

اساتذہ سے تعلق زیادۂ حافظہ کا ذریعہ | دارالعلوم کے ایک فاضل مہمان نے زیادۂ حافظہ کے وظیفہ کی درخواست کی۔ تو ارشاد فرمایا۔ آپ حضرات کو جو اپنی مادر علمی اور اساتذہ سے گہرا ربط اور تعلق ہے یہ بھی قوت حافظہ کے اسباب سے ایک ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کو جو تبحر علمی اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا اس کے یقیناً بہت سے وجوہات ہوں گے ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے تمام زندگی اپنے استاد کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔ اور نہ ادھر پاؤں کر کے سوئے۔ آج جو شیخ مدنیؒ کا جگہ جگہ ذکر خیر جاری ہے اور ان کے علوم و فیوضات کا سلسلہ روز افزوں ہے اور اب جو ایک صاحب نے بتایا ہے کہ گوجرانوالہ میں الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ شیخ مدنیؒ نے اپنے استاد شیخ الہندؒ کی خدمت کی، مالٹا کی جیل میں گئے اور ساتھ رہے اور کسی ممکن خدمت سے دریغ نہیں کیا ؛

نزلہ، زکام کا حملہ کھانسی کا زور
سردیاں کیا آئیں مصیبت آگئی
موسم سرما صحت و تن درستی کو بہتر بنانے کا موسم ہے۔ گھر کا ہر فرد اگر سردیوں کے آغاز ہی سے مناسب احتیاط برتے اور شعالین کی ایک دو ٹکیاں روزانہ باقاعدگی کے ساتھ استعمال کرے تو نزلہ، زکام اور کھانسی سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔
شعالین کے چار قرص تیز گرم پانی میں گھول لیجیے،
جوشاندہ تیار ہے جو نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے بدرجہا مفید ہے۔
ایسی ایک خوراک صبح و شب پیجیے۔
SUALIN
50 TABL
A HERBAL CU
COUGH, CO
AND
BRONCHI
HAMDARD PAK
شعالین
SUALIN
A HERBAL CURE FOR COUGH, COLDS AND BRONCHITIS
شعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا
ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں
نوزو
ناک کے ورم، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے۔
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
Adarts SUA-4/84

انٹرویو :- محمد رفیق صاحب اختر - اسلام آباد

ایک معروف شیعہ رہنما کے فرزند علامہ عرفان عابدی سے انٹرویو

شیعیت چھوڑنے کے بعد کیا گزری؟

معروف شیعہ رہنما اور شیعہ جماعت کے ایک گروہ کے قائد علامہ سید حامد علی موسوی کے فرزند اور معروف شیعہ عالم علامہ عرفان حیدری پچھلے دنوں شیعہ مذہب ترک کر کے سنّی مذہب قبول کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے بعد ان پر کیا گزری۔ اس انٹرویو میں انہوں نے حالات، رسوائی اور ذہنی تاثرات وخیالات پر روشنی ڈالی ہے۔ (ادارہ)

۹ اگست ۱۹۸۷ء کو اخبارات میں شائع ہونے والی اس خبر پر ملک کے تمام مذہبی حلقوں میں شدید حیرت و استعجاب کی لہر دوڑ گئی کہ "سید عرفان حیدر عابدی نے شیعہ مذہب سے تائب ہو کر شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے سنّی مذہب قبول کر لیا ہے۔ سید عرفان حیدر عابدی شیعہ مذہب کے ایک بلند پایہ مبلغ اور واعظ و ذاکر رہے ہیں۔ اور سید حامد علی موسوی جو فقہ جعفریہ کے قائد ہیں کے صاحبزادہ ہیں۔ اب انہوں نے اعلان کیا ہے کہ میں اپنی باقی زندگی سنّی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں گزاروں گا۔ خدا تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے اور تمام امت کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین" روزنامہ جنگ لاہور ۹ اگست ۱۹۸۷ء صہ ۲

اگر ہم اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس حقیقت سے انکار کی جسارت نہیں کی جا سکتی کہ جس شخص نے بھی اندھی تقلید اور شخصیت پرستی سے دور رہ کر اسلام جیسے عالمگیر اور آفاقی دین کا صرف جستجوِ حق اور صراطِ مستقیم کو پانے کے لئے مطالعہ کیا چاہے وہ کسی بھی مذہب یا مکتبِ فکر سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو سید عرفان حیدر عابدی صاحب کی طرح یہی اعلان کرنے پر مجبور ہوا۔ تو یہ اس لحاظ سے کوئی پہلا اور تعجب خیز واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ دیگر تمام مکاتبِ فکر اور بالخصوص رافضیوں کے لئے لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

علامہ سید عرفان حیدر عابدی صاحب ملک کے ایک اہم شیعہ گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت شیعہ مکتب فکر سے متعلق مدارس ہی میں مکمل ہوئی۔ اور ایک عرصہ تک رافضیت کی تبلیغ کرتے رہے۔ مگر مطمئن نہ ہونے کے باعث تلاش حق کے لئے اکابرین و اسلاف کی تحریروں کے آئینہ میں دین کی تفہیم و تشریح کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ پھر بالآخر انہوں نے حقیقت منکشف ہونے پر حق کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے امت کے اجماعی عقیدہ پر ایمان لاکر سوادِ اعظم میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس سال ہے۔

گذشتہ روز ۱۴ راکتوبر کو بوقت مغرب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں علامہ عرفان حیدر عابدی صاحب، سے راقم کی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ کی مجلس میں ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے سوادِ اعظم اہل سنت میں اعلان شمولیت کے بعد امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن سے متعلق افراد کی طرف سے اپنے اغوا اور تشدد کی مختصر رُوداد سنائی۔ تو راقم نے انہیں ایک تفصیلی انٹرویو دینے پر اصرار کیا۔ جس پر انہوں نے بخوشی آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ ان کا پہلا تفصیلی انٹرویو ہے۔ جو سپرد قلم کیا جارہا ہے۔

س۔ آپ نے اپنی تعلیم کہاں مکمل کی۔ اور پھر اس کے بعد کیا شغل اختیار کیا؟

ج۔ میں نے قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم جلال پور ضلع سرگودہا میں حاصل کی۔ اس کے بعد جامع اہل بیت اسلام آباد میں زیر تعلیم رہا پھر چار سال جامعۃ المنتظر ایچ بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور میں کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں مجھے والد صاحب نے نجف اشرف بھیجدیا۔ جہاں دو سال تک تعلیم مکمل کی اور ایک سال قُم میں گذارا کہ ایک امتحان دینا جو لازمی ہوتا ہے۔ تب سند ملتی ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں واپس پاکستان آیا تو مجھے اسلام آباد میں شیعہ حضرات کی جامع مسجد میں جہاں آج کل فیض علی شاہ صاحب ہیں خطیب مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد میں شیخوپورہ چلا گیا۔ اس کے بعد میں جامع محمدیہ عالی روڈ گلبرگ میں بحیثیت خطیب شیعہ مسلک کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتا رہا۔

س۔ آپ کن وجوہات کی بنا پر شیعہ مذہب کو ترک کرنے پر مجبور ہوئے؟

ج۔ شیعہ مسلک کے مبلغ ہونے کے باوجود مجھے شرح صدر حاصل نہیں تھا۔ اس لیے میں علماء اہلسنّت کی کتب کا مطالعہ بھی کرتا تھا۔ علماء دیوبند میں سے بعض بزرگوں کی کتابوں سے بہت متاثر ہوا۔ اور چند اہم وجوہات جن کی وجہ سے میں اس مذہب کو باطل یقین کرتے ہوئے تائب ہونے پر مجبور ہوا یہ ہیں۔

۲۱ رمضان المبارک کو شیعہ حضرات حضرت علیؓ کا جنازہ نکالتے ہیں گذشتہ رمضان میں جب یہ رسم ادا ہو رہی تھی تو حسب سابق مبلغین و ذاکرین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی تو اس وقت سب نے اصحابؓ رسولؐ پر تبرا کرنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ جس قدر میں نے تحقیق کی ہے ہمارے کسی امام نے ان حضرات پر لعنت نہیں بھیجی۔ تو اس وقت

میرے والد صاحب سید حامد علی موسوی جو آج کل رافضیوں کے ایک گروپ کے قائد ہیں فرمانے لگے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے تولی اور تبری ہمارے مذہب کا ایک اہم جزء اور حصہ ہیں۔ تو اس پر میں نے والد صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سب کیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ پر تبری شروع کیا تو میری زبان بند ہوگئی۔ اور کافی دیر تک میری قوت گویائی سلب رہی۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرے توبہ کرنے اور خدا سے معافی مانگنے پر میری زبان نے دوبارہ چلنا شروع کیا تو اس پر میرا الیقین کامل ہوا کہ اصحابؓ رسولؐ سچے ہیں اور یہ ابن سبا یہودی کی نسل اپنے اس ملعون عمل سے اہل بیت کو بھی بدنام کر رہی ہے۔

۲۔ شیعہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہؓ۔ اور حضرت حفصہؓ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معاذ اللہ اگر یہ عورتیں اتنے بُرے کردار کی مالک تھیں تو خدا نے اپنے پیغمبر کو ان سے شادی کرنے سے کیوں نہ روکا۔ تحقیق سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ ایک یہودیانہ سازش کا نتیجہ ہے۔ اہل تشیع قرآن مجید کو تحریف شدہ تصور کرتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

۴۔ شیعہ مبلغین اور ذاکر اپنے مذہب کی تبلیغ رقم طے کرکے سرانجام دیتے ہیں ان کے اس عمل سے میں شدید بدظن ہوا۔

۵۔ میں نے شیعہ مذہب کے مبلغین اور ذاکرین کی اکثریت کو جو بہ دعویٰ خود "محبان اہلبیت" کہلاتے ہیں فسق و فجور میں مبتلا پایا۔

س۔ مسلک اہلسنت قبول کرنے کے اعلان کے بعد شیعہ ملت کی طرف سے کیا ردعمل ہوا؟

ج۔ مجھے ۱۲ اگست کی رات کو تقریباً گیارہ بجے جامعۃ المنتظر کے طلباء نے جن میں اکثریت بلتستانی سٹوڈنٹس کی تھی ماڈل ٹاؤن روڈ لاہور سے اغوا کرکے جامعۃ المنتظر کے کمرہ نمبر ۲۲ میں لے گئے۔ یہاں مجھے حبس بے جا میں رکھا گیا اور معافی نامہ تحریر کر دینے کا مطالبہ کرتے رہے۔ اس کے بعد مجھے بذریعہ کار مرکزی امام باڑہ بلاک نمبر ۷ سٹلائٹ ٹاؤن میں مولوی غلام جعفر نجفی کے پاس لایا گیا۔ یہاں کئی دن بند رکھنے کے بعد ڈھڈیال لائے۔ اور تقریباً پندرہ دن تک جامعہ جعفریہ مدرسہ میں بند رکھا۔ اور اپنا مطالبہ دہراتے رہے۔ لیکن میرے مسلسل انکار پر مجھے چوآ سیدن شاہ منتقل کر دیا گیا۔ یہاں رات کو پہاڑوں پر لے جایا جاتا اور خوب تشدد کیا جاتا رہا۔ لیکن خدا نے مجھے ثابت قدم رکھا۔ اس کے بعد مجھے امام باڑہ سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں لایا گیا۔ اور یہاں اٹھارہ دن تک بند رکھا۔ یہاں مجھ پر تشدد تو نہیں کیا مگر اپنے مطالبہ پر اصرار جاری رہا۔ واضح رہے کہ یہ امام باڑہ اور ہمارا گھر بالکل قریب قریب ہیں اور بالآخر آج ۱۴ اکتوبر کو صبح تین بجے میری والدہ صاحبہ نے مجھے یہ کہہ کر وہاں سے نکال دیا کہ "تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہتے ہوئے اس روش کو ترک کر دو۔ ورنہ اس طرف کا کبھی رخ نہ کرنا"

س - آپ کی تعلیم نجف، اشرف اور قم میں مکمل ہوئی، کیا وہاں ایران کے دینی مدارس میں بھی صحابہ کرامؓ کے خلاف یونہی زہر اگلا جاتا ہے اور اس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے؟

ج - جی ہاں یہ چیز وہاں کے تعلیمی نصاب میں شامل ہے۔ آپ ان کا "ترجمہ مقبول" دیکھیں۔

س - آپ کی ایران کے موجودہ انقلاب کے بارے میں کیا رائے ہے؟

ج - خمینی صاحب فقہ جعفریہ کے مطابق صحیح قوانین نافذ کر رہے ہیں۔

س - آپ نے ایک شیعہ عالم کی حیثیت سے فقہ جعفریہ کا ضرور بغور مطالعہ کیا ہوگا۔ تو کیا آپ فقہ جعفریہ کو خالص اسلامی تصور کرتے ہیں؟

ج - میں مکمل تحقیق کے باوجود فقہ جعفریہ کو قرآن و سنت کا ماخذ پانے میں ناکام رہا ہوں اس لئے اسے خالص اسلامی قرار نہیں دے سکتا۔

س - آپ کے بیوی بچوں کی طرف سے کیا ردعمل ظاہر ہوا؟

ج - میری بیوی نے ملتان میں مجھ پر تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر دیا ہے۔ میرا لڑکا بھی زبردست مخالف بن گیا ہے صرف میری ایک لڑکی میرا ساتھ دے رہی ہے جسے میں نے ملتان میں ایک کرائے کے مکان میں ٹھہرایا ہے۔ اور کرایہ وغیرہ کا انتظام بھی مولانا عبدالستار تونسوی صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

س - آپ کے والد صاحب کی طرف سے بطور ردعمل کیا اظہار ہوا ہے؟

ج - والد صاحب نے مجھے کہا ہے کہ مذہب حق "شیعہ" کو قبول کرتے ہوئے باز آجاؤ۔ ورنہ میں تمہیں عاق کر دوں گا۔ اور اپنی تمام جائیداد مدرسہ کے نام منتقل کر دوں گا۔ اور اگر تم میرے لئے صدر درجہ بدنامی و رسوائی کا باعث بنے تو تمہیں قتل بھی کرایا جا سکتا ہے۔

س - تو کیا اب آپ کو اپنے اعزہ یا دوسرے شیعہ حضرات کی طرف سے کچھ خطرات ہیں؟

ج - جی ہاں، خطرات تو پوری شیعہ قوم سے ہیں۔ مجھے پہلے بھی قتل کی دھمکیاں دی جا چکی ہیں۔ اس لئے مجھے اپنی جان کا خطرہ تو ضرور ہے۔

س - علماء اہلسنت میں سے کن حضرات نے آپ کی حوصلہ افزائی کی ہے؟

ج - مولانا محمد مالک کاندھلوی۔ علامہ خالد محمود صاحب۔ مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی۔ مولانا عبدالقادر صاحب آزاد۔ اور مولانا عبیداللہ صاحب سے میں مل چکا ہوں۔ اور ان حضرات نے میری خوب حوصلہ افزائی کی ہے۔

واضح رہے کہ ان سب علماء کا تعلق دیوبند مکتب فکر سے ہے۔ اور یہ اپنی ایک تاریخ رکھتے ہیں۔ علماء دیوبند نے

وقت کی جابر فرنگی حکومت کا مقابلہ کیا۔ رافضیت و سبائیت اور مرزائیت کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ غرض ہر فتنہ کی سرکوبی کے لئے علماء دیوبند برسرِ میدان جہاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

س۔ امامیہ شیعہ کونسل پاکستان کی طرف سے آپ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ سید حامد علی موسوی کے فرزند نہیں ہیں۔ بلکہ کسی امیر عباس مرحوم نامی شخص کے صاحب زادہ ہیں۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

ج۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اگر یہ بیان کسی ذمہ دار شخص کی طرف سے ہوتا تو میں اس کے خلاف جواباً کوئی قدم اٹھاتا۔ ویسے بھی امامیہ کونسل سے متعلق کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے باپ کے بارے میں تحقیق اور نشان دہی کرے۔ پھر میں کوئی طفلِ مکتب نہیں ہوں۔

جناب خلیل الرحمان صاحب قادری، راولپنڈی

قادیانیوں کی خدمت میں ایک حرفِ ناصحانہ

اب جبکہ وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے قادیانیوں کی خلاف اسلام سرگرمیوں کی روک تھام کے صدارتی آرڈی ننس مجریہ ۱۹۸۴ء کی توثیق [illegible] ہے۔ اور جبکہ ہماری گورنمنٹ نظام اسلام کو صحیح طور پر نافذ کرنے کے لئے بے حد کوشاں ہے۔ تمام افراد جماعت احمدیہ (قادیانی اور لاہوری) کو یہ صحیح مشورہ دیا جاتا ہے کہ بحیثیت محب وطن پاکستانی ہونے کے وہ قانونِ ہذا کا احترام کرتے ہوئے اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کر لیں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو ان جملہ جماعتوں کا ہر فرد صدقِ دل سے تائب ہو کر پھر سے اسلام میں داخل ہو جائے تاکہ فلاح پا سکے۔ کیونکہ ان کا موجودہ طریقے پر تبلیغ اور مشن اس اسلامی سلطنت میں بالکل نہیں چل سکتا۔ جیسا کہ ان کے پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے۔

اس ضمن میں کچھ اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ جن سے بالکل واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو بھی یقین تھا کہ ان کی تعلیم اور تبلیغ اسلامی شعائر کے منافی ہے جس کا احساس ان کی جماعت کے ہر فرد کو ہونا لازمی ہے۔ اور اب بھی وہی احساس ہونا چاہئے۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "سو اس نے مجھے بھیجا اور میں اس کا شکر کرتا ہوں۔ کہ اس نے مجھے ایسی گورنمنٹ کے سایۂ رحمت کے نیچے جگہ دی جس کے زیر سایہ میں بڑی آزادی سے اپنا کام نصیحت اور وعظ کا ادا کر رہا ہوں۔ اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے۔ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے کیونکہ میرے اعلیٰ مقاصد جو جناب قیصرۂ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں کبھی بھی انجام پذیر نہ ہو سکتے تھے۔ اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔" (تحفہ قیصریہ صہ ۲۷۔ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

۲۔ اگر ہم ان (انگریزوں) کا شکر نہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گذار ہیں کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا ہے اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کبھی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں پا سکتے۔" (ازالہ اوہام صہ ۵۰۹ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

۳۔ ہمیں اس گورنمنٹ (برطانیہ) کے آنے سے وہ دینی فائدہ پہنچا کہ سلطانِ روم کے کارناموں میں اس کی تلاش کرنا

عبث ہے" (اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم ص۵۹)

۴۔ "بلکہ اس گورنمنٹ (برطانیہ) کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو نہ ہمارا مکہ میں گذارا ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں تو پھر کس طرح سے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال اپنے دل میں رکھیں"

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ ملفوظات احمدیہ جلد اول ص۱۴۶۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

۵۔ "میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں۔ نہ روم میں نہ شام میں۔ نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لئے دعا کرتا ہوں"

(اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ششم ص۶۹)

۶۔ میرا دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں جس نے زمین پر ایسا امن قائم کیا ہو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت اشاعت حق کر سکتے ہیں یہ خدمت ہم مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی ہرگز بجا نہیں لا سکتے" (ازالہ اوہام ص۵۶۹ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

۷۔ میں نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ (جماعت احمدیہ کے افراد) میرے اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً سولہ برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشین کرتا آتا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ ہماری محسن گورنمنٹ ہے ان کی ظل حمایت میں ہمارا فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اس کے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجے سے محفوظ ہیں (مرزا غلام احمد قادیانی کا اعلان اپنی جماعت کے نام مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۲۳ مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی)

۸۔ اس گورنمنٹ برطانیہ کے ذریعے ہم ظالموں کے پنجے سے بچائے جاتے ہیں اور اس کے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے گی ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لئے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو سو تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو۔ اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کیلئے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں نابود کر دیگی یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں تم ان علما کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم ان کے نزدیک واجب القتل ہو اور ان کی آنکھ میں ایک کتا بھی رحم کے لائق ہے مگر تم نہیں۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو سو یہی انگریز ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کئے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا اور کسی سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیسا سلوک کیا جاتا ہے" اپنی جماعت کیلئے ضروری نصیحت، اشتہار منجانب مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۲۳۔ مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی۔

مندرجہ بالا تمام اقتباسات پروفیسر محمد الیاس برنی کی کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" سے اخذ کئے گئے ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

از عبید اللہ کوٹی ندوی

علامہ برہان الدین مرغینانی

صاحب ھدایہ

علامہ برہان الدین مرغینانی، ماوراءالنہر کے چھٹی صدی ہجری کے ان اکابر فقہا میں ہیں جن کی تصنیف ہدایہ نے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے۔ ہدایہ کے بارے میں علامہ کمال الدین محمد طاش کبریٰ زادہ رومی (م ۱۰۳۰ھ) نے یہ رائے دی ہے کہ فقہ پر لکھی جانے والی یہ سب سے اہم کتاب ہے[1]

لیکن اس زمانہ کے دوسرے اہل علم کی طرح، علامہ مرغینانی کے حالات بھی زیادہ دستیاب نہیں تاہم جس قدر فراہم ہو سکے ہیں ذیل کی سطروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اسم گرامی اور نسب نامہ علی نام اور ابوالحسن کنیت ہے۔ شیخ الاسلام برہان الدین لقب سے شہرت پائی[2]
اپنی تصنیف کتاب التجنیس والمزید[3] اور البدایہ[4] کے آغاز میں اپنا نام اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ "ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل"

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے یہ نسب نامہ لکھا ہے:-

"علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن الخلیل بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی" پھر مزید لکھتے ہیں کہ علامہ مرغینانی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی نسل سے ہیں[5]

علامہ برہان الدین مرغینانی کا سن ولادت، زرکلی نے ۵۳۰ھ درج کیا ہے[6] اکتفاءالقنوع[7] میں بھی یہی ہے لیکن یہ درست نہیں۔ قیس بن اسحاق ابوالمعالی المرغینانی، سمرقند میں مقیم ایک صاحب علم اور باحیثیت شخص تھے اور وہیں ۵۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

" میرے اور ان کے درمیان قرابت تھی، میں ان سے ملا ہوں انہوں نے مجھے چند اشعار سنائے۔ یہ عربی اشعار "

---

[1] کشف الظنون نمبر ۲۰۳۲ مطبوعہ وکالۃ المعارف ترکی ۱۹۴۳ء [2] الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ مولفہ محی الدین عبدالقادر قرشی مصر ج ا ص ۳۹۳
[3] التجنیس نسخہ قلمی دارالمصنفین [4] الفوائد البہیہ ص ۵ [5] مقدمۃ الہدایہ ج ۳ ص ۲ [6] الاعلام ج ۲ ص ۲۶۰ [7] اکتفاءالقنوع ص ۱۰

صاحب ہدایہ نے اپنی معجم الشیوخ میں نقل بھی کئے ہیں[۱] ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ کی ان سے یہ ملاقات ۲۷ھ سے کافی پہلے ہوئی ہو۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ قیس بن اسحاق سے ان کی یہ ملاقات ۲۷ھ میں ہوئی تھی تب بھی اس وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مرغینانی ۲۷ھ تک تو یقیناً تعلیم و تربیت کے اس مرحلہ پر پہنچ گئے تھے کہ عربی اشعار سمجھ کر دوسروں کو سنا سکتے تھے۔ ان کے ادبی ذوق اور قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ وہ ان اشعار کو اپنے حافظہ میں محفوظ بھی رکھ سکتے تھے

دوسرا سنہ ولادیت، علاء الدین نبیرہ کے حوالہ سے مولانا فرنگی محلی نے اپنے اجداد کا نقل کردہ ۵۱۱ھ تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان الدین کی ولادت بروز دوشنبہ بعد نماز عصر ۸ رجب ۵۱۱ھ میں ہوئی[۲] اس لئے زرکلی کا یہ لکھنا کہ ان کی ولادت ۵۳۰ھ میں ہوئی صحیح نہیں۔

<u>وطن</u>: الشیخ قاسم بن قطلوبغا نے[۳] اور مغل شہنشاہ بابر نے[۴] (جو فرغانہ کا بھی حکمران تھا) علامہ مرغینانی کا اصل وطن "رشدان" کو قرار دیا ہے۔

یہ رشدان صوبہ فرغانہ کے شہر مرغینان کا ایک دیہات ہے۔ لیکن اپنی مردم خیزی، علمی و دینی حیثیت اور تمدنی اہمیت کی وجہ سے چوتھی صدی ہجری میں مرغینان سے زیادہ اہم اور عظیم تر تھا۔ یاقوت حموی[۵] اور مقدسی بشاری[۶] نے رشدان کے بجائے رشتان لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب المخارج ہونے کی وجہ سے یہ دونوں ہی لفظ مستعمل رہے ہیں۔

شیخ الاسلام برہان الدین کو دیہات، شہر اور صوبہ کی مناسبت ہی سے الفرغانی المرغینانی الرشدانی کہا جاتا ہے فرغانہ صوبہ، ماوراء النہر کا ایک حصہ تھا جس میں بخارا۔ بیکند۔ دبوسیہ۔ سمرقند۔ فاراب۔ شاش (تاشقند) کاسان۔ ترمذ اور کاشغر وغیرہ کی ریاستیں شامل تھیں۔ اور یہ تمام علاقے علوم و فنون کے مرکز تھے۔ جن کی خاک سے بے شمار اہم شخصیتیں اٹھیں۔ فرغانہ بھی ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے شہر مرغینان کے بارے میں یاقوت حموی نے خاص طور پر یہ شہادت دی ہے کہ

"مرغینان ماوراء النہر میں فرغانہ کے اطراف کے معروف ترین شہروں میں ہے۔ فضلاء اور اہل علم کی ایک بڑی تعداد وہاں پیدا ہوئی"[۷]

---

[۱] الجواہر جلد ۱ ص ۴۱۴　[۲] مقدمۃ الہدایہ جلد ۳ ص ۲　[۳] تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ ص ۱۴۱
[۴] تزک بابری ص ۳　[۵] معجم البلدان جلد ۴ ص ۲۵۲۔ مطبوعہ مصر ۱۹۰۶ء　[۶] معجم البلدان ج ۴ ص ۲۵۲ مطبوعہ مصر ۱۹۰۶ء　[۷] تقویم البلدان ص ۴۹۴ تا ۵۰۴ مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء　[۸] معجم البلدان جلد ۸ ص ۳۷۔

تعلیم وتربیت | غالباً صاحب ہدایہ کے والدبزرگوار کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ علامہ مرغینانی کی ابتدائی تعلیم اور تربیت، و پرداخت ان کے جد مادری القاضی الامام عمر بن حبیب بن علی زندرامسی [1] کے یہاں ہوئی جو مرغینان کے قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ شمس الائمہ امام سرخسی کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ شاعر تھے۔ فقہ وعلم کلام میں متبحر، فتوی اور قضا کے مسائل میں دقیق النظر عالم اور امام وقت تھے۔ تصنیف وتالیف کا ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنے ایک استاذ قاضی احمد بن عبدالعزیز زوزنی کی کتاب "مسائل الاسرار" پر حاشیہ بھی تحریر فرمایا تھا صاحب ہدایہ کے مربی اور اولین استاد یہی تھے۔ جن سے انہوں نے علم کلام (جو منطق وفلسفہ، عقائد اور فرق وملل کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہوتا تھا) عربی زبان وادب اور شعر وسخن کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی وہ کم سن تھے کہ حسن آغاز اور غالباً تبرک کے طور پر نانا نے ایک حدیث شریف ان کے سامنے پڑھی۔ بارگاہ الہی سے قوت حافظہ کی دولت عطا ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ حدیث آخر عمر تک علامہ مرغینانی کو یاد رہی۔ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روایت حدیث کے جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ راوی حفظ حدیث کے زمانہ سے روایت حدیث کے زمانہ تک، اس کو نہ بھولا ہو۔ چنانچہ اس شرط کے مطابق میرے لئے اس روایت کو بیان کرنا جائز ہے [2]

اسی دوران میں صاحب ہدایہ نے شیخ منہاج الشریعۃ محمد بن محمد بن الحسین سے استفادہ کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اوائل عمر اور زمانہ کم سنی ہی میں شیخ سے پڑھا ہے۔ اور اس کے بعد بھی ۵۳۵ھ تک شیخ کے بحر علم سے مسلسل فیض حاصل کرتا رہا۔ [3]

اپنے نانا قاضی عمر بن حبیب زندرامسی کے انتقال کے بعد علامہ مرغینانی نے فقہ وعلم کلام کی مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے صوبہ کے صدر مقام فرغانہ کے لئے رخت سفر باندھا۔

فرغانہ | یہاں امام ابوالحسن بزدوی کے براہ راست شاگرد، ابوالمعالی ظہیر الدین بن زیاد ابن الیاس کی مسند درس

---

[1] قرشی نے ایک موقع پر (ج ۲ ص ۳۱۳) اس کا تلفظ ش سے کیا ہے یعنی زندرامشی۔ یاقوت حموی کی معجم البلدان ج ۴ ص ۴۰۹ میں "زندرامش" کو بھی بلدان وامکنہ کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن وہ اس کا تلفظ بتا کر رہ گئے۔ مزید تفصیل وتعین نہیں کی۔ میرے خیال میں صاحب ہدایہ کے نانا کی زندرامس کی طرف نسبت مکانی نہیں بلکہ خاندانی ہے۔ ہندوستان کے نند خاندان ۴۱۳ ق م سے ۳۲۲ ق م تک یعنی ۹۰ برس حکمران رہا۔ اور اس کے نو راجاؤں نے حکومت کی۔ یونانی مورخوں کے بقول اس خاندان کے آخری حکمران کا نام "زندرامس" تھا۔ اس لئے یہ بات کچھ بعید نہیں کہ مؤلف ہدایہ کے نانا اسی زندرامس کی نسل سے ہوں۔

قدیم تاریخ ہند باب دوم ضمیمہ ب ص ۸۱ مؤلفہ ونسنٹ اے سمتھ۔ ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد۔

[2] الجواہر ج ۱ ص ۳۹۰ [3] الفوائد البہیہ

الحق

ناس طور پر شہرت رکھتی تھی۔ علامہ مرغینانی نے ان سے استفادہ کیا۔ وہ اپنی فضیلت علمی کے باوجود خوش اخلاق اور منکسر
مزاج تھے۔ شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے[1] فرغانہ ہی کے ایک اور بزرگ عالم شیخ عثمان بن
ابراہیم نوافندی سے بھی علامہ مرغینانی نے فقہ وغیرہ کا درس لیا۔ اور اجازت پائی[2]

علامہ مرغینانی نے طلب علم کی راہ میں سمرقند، بخارا، نیشاپور، مرو، بلخ وغیرہ کے سفر کئے۔ وہ حرمین و بغداد اور ہمدان
بھی گئے۔ اس سلسلہ میں وہ کہاں پہلے گئے اور کہاں بعد میں۔ یا اساتذہ ما بعد سے استفادہ میں تقدم و تاخر کی نوعیت
کیا رہی یہ بتانا دشوار ہے۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ عربی زبان و ادب اور علم کلام و فقہ کی تعلیم مقدم تھی۔ اور حدیث و
تفسیر کی موخر۔ مگر چونکہ صاحب ہدایہ نے ہر ایک فن کی تعلیم کئی کئی اساتذہ سے حاصل کی ہے اس لئے شہروں ہی کی ترتیب
سے صاحب ہدایہ کے اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا فرنگی محلی یا تذکرہ و سوانح کے دوسرے مصنفین نے صاحب ہدایہ کے چند ہی اساتذہ کا ذکر کیا ہے لیکن حسن
اتفاق سے شیخ محی الدین عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیئہ میں مختلف فقہاء و محدثین کے تذکرہ میں جا بجا، صاحب ہدایہ کی
کتاب معجم الشیوخ سے اقتباسات لئے ہیں جن سے صاحب ہدایہ کے دور طالب علمی اور ان کے اساتذہ پر مزید روشنی
پڑتی ہے۔

سمرقند | نوجوانی ہی میں صاحب ہدایہ سمرقند گئے۔ جہاں ان کے قرابت دار قیس بن اسحاق ابوالمعالی (وفات ۵۲۷ھ)
حیات تھے۔ وہ امام محمود بن عبداللہ جوزجانی کے شاگرد اور امام ابوحفص عمر بن محمد نسفی کے استاد تھے[3] ان سے ملاقات اور
علمی استفادہ کے علاوہ، علامہ مرغینانی کے لئے امام زاہد نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۷ھ) کی شخصیت خاص
طور پر بڑی اہم تھی۔ وہ مفتی، فقیہ، محدث، مفسر اور صاحب فضل تھے۔ ان کی روایت حدیث ۵۵۰ اساتذہ سے
مروی تھیں۔ انھوں نے فقہ و حدیث پر کئی کتابیں لکھیں۔ جامع صغیر کو منظوم کیا۔ علامہ مرغینانی نے ان سے کچھ تصنیفات
کی سماعت کی۔ اور امام ظہیر الدین محمد بن عثمان کی رفاقت میں ان سے مسندات کی کتاب المسندات کی بھی سماعت کی اور ان
کے صاحبزادہ الامام المجد اسعد بن عمر نسفی سمرقندی (شہید ۵۵۲ھ) سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل کی۔

سمرقند ہی میں امام علی بن محمد بن اسماعیل اسبیجابی (م ۵۳۵ھ) فقہ کے ایک ممتاز عالم تھے جو شیخ الاسلام کی
حیثیت رکھتے تھے۔ علامہ مرغینانی نے ان سے فن تدریس اور اصول و کلام میں بہت زیادہ استفادہ کیا۔ زیادات
کے کچھ فتاوے اور مبسوط اور جامع صغیر کا ایک حصہ پڑھا۔ انہوں نے علامہ مرغینانی کو علی الاطلاق افتا کی اجازت
دی۔ اور اس بارے میں شاندار تعریفی الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی طرف سے تفصیلی سند بھی عنایت فرمائی۔

---

[1] الجواہر ج ۱ ص ۲۴۵ معجم الشیوخ [2] ایضاً [3] جلد ۲ ص ۱۴

نیشاپور | یہاں امام نے شیخ صفی الدین ابو البرکات عبداللہ بن محمد صاعدی سے درس لیا۔ اور ان کی تمام مرویات کی اجازت مطلقہ حاصل کی۔ شیخ صاعدی خاندانی طور پر علم و زہد اور صلاح و تقویٰ کے وارث اور اسی ماحول کے پروردہ تھے۔

مرو | یہاں جن شیوخ سے علامہ مرغینانی نے استفادہ کیا وہ یہ ہیں۔

۱۔ محمد بن ابی بکر الخطیب السنجی الامام الزاہد۔ انہوں نے اپنی تمام مسموعات کی روایت کرنے کی اجازت دی۔ اور شیخ علی بن احمد الواحدی کی کتاب التفسیر الوسیط کا ایک نسخہ اپنے دستِ خاص سے عنایت فرمایا۔

۲۔ شیخ ضیاء الدین محمد بن حسین یرسوخی۔ ان کو چار واسطوں سے امام مسلم بن الحجاج القشیری سے صحیح مسلم کی اجازت و روایت کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ انہوں نے صحیح مسلم اور اپنی تمام دیگر مسموعات کی صاحب ہدایہ کو اجازت دی۔ اور اپنے دستِ خاص سے ۵۲۵ھ میں یہ اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ ان کی مسموعات میں کتاب التمہید (مؤلفہ امام سیف الدین ابو المعین میمون بن محمد مکحولی) کی اجازت و روایت بھی شامل تھی[1]

ان ہی کے واسطہ سے امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الرسالہ کی روایت بھی تنہا صاحب ہدایہ ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ تک صرف نو واسطے ہیں[2]

۳۔ شیخ محمد بن الحسن بن مسعود۔ اپنی تمام کتابوں، مرویات و مسموعات کی اجازت اپنے قلم سے تحریر فرما کر دی۔ جس میں امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی بھی اجازت شامل تھی[3]

۴۔ شیخ ابو الفتح محمد بن عبدالرحمٰن کشمیہنی مروزی۔ آپ تین واسطوں سے امام بخاری کے شاگرد اور روایت بخاری کے مجاز تھے۔ صاحب ہدایہ نے ان سے ۴۲۵ھ میں بخاری شریف کا بیشتر حصہ پڑھا۔ اور باقی ماندہ کی بھی اجازت حاصل کی[4]

بلخ | قاضی سعید بن یوسف حنفی مقیم بلخ۔ آپ سے علامہ مرغینانی نے روایت حدیث بھی کی اور اجازت مطلقہ عامہ بھی حاصل کی[5]

۲۔ ابو شجاع ضیاء الاسلام عمر بن محمد بسطامی بلخ کے مشائخ کبار میں تھے اور بقول علامہ مرغینانی ان کے پاس اسانید عالیہ تھیں۔ اور وہ مختلف علوم میں کمال رکھتے تھے۔ وہ اور ان کے بھائی محمد بن محمد حنفی مسلک کے فقیہ اور امام تھے شیخ عمر بسطامی نے صاحب ہدایہ کو تمام مسموعات و مستجازات کی اجازت مطلقہ لکھ کر عنایت فرمائی[6]

بخاری | ۱۔ برہان الائمہ الصدر الشہید عمر بن عبدالعزیز بن مازہ (م ۵۳۶ھ) امام ابن امام اور بحر بن بحر کے

---

[1] الجواہر ج ۱ ص ۳۱۲ [2] کتاب الرسالہ کی دریافت مولانا محمود حسن خان ٹونکی کے ذریعہ ہوئی۔ جسے انہوں نے اپنی کتاب معجم المصنفین ج ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ بیروت میں نقل کر دیا ہے [3] الجواہر ج ۲ ص ۴۶ [4] ایضاً [5] ایضاً ج ۲ ص ۲۰۷ [6] ایضاً ص ۲۴۹

کہے جاتے تھے۔ فتاویٰ صغریٰ۔ فتاویٰ کبریٰ اور شرح جامع صغیر مطول، آپ کی تصنیفی یادگاریں ہیں۔ صاحب ہدایہ کے خصوصی اساتذہ میں ہیں۔ جن سے انہوں نے فلسفہ اور کلام و فقہ کی تعلیم حاصل کی[1]

۲۔ شیخ احمد بن عبدالعزیز، برہان الدین عمر بن مازہ کے برادر ہیں ان کو ۴ واسطوں سے امام محمد کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کو السیر الکبیر اور اپنی تمام مسموعات اور مستجازات کی اجازت دی[2]

۳۔ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بخاری (م ۵۴۶ھ) یہ الزاہد العلاء کے لقب سے معروف تھے۔ بقول سمعانی۔ فقیہ، مفتی، متکلم اور صاحب فضل تھے۔ ایک ہزار سے زیادہ اجزاء پر مشتمل تفسیر قرآن لکھی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کو تمام مستجازات اور مصنفات کی اجازت مطلقہ دی۔ اور خود اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا[3]

۴۔ شیخ عثمان بن علی بیکندی، بقول امام سمعانی۔ بخاری میں شمس الائمہ سرخسی کے آخری شاگردوں میں تھے۔ یہ بھی صاحب ہدایہ کے مشائخ میں ہیں[4]

۵۔ علامہ سدید الدین ابوالرضا محمد بن محمود طرازی (م ۵۷۰ھ) صاحب ہدایہ نے ان کو بھی اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ بخاری میں انہوں نے مجھے تعلیم و اجازت سے سرفراز فرمایا[5]

<u>مرغینان</u> غالباً، علامہ مرغینانی، سمرقند وغیرہ کے تعلیمی سفروں کے بعد دوبارہ مرغینان واپس آئے۔ اور یہاں کے اکابر شیوخ سے انہوں نے خاص طور پر فن حدیث میں استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی۔ چنانچہ انہوں نے شیخ عبداللہ بن ابی الفتح الخانقاہی سے عمومی طور پر روایت حدیث کی اجازت لی[6]

شیخ فضل اللہ بن عمر ابوالفضل اسفورقانی کے یہاں بھی سماعت حدیث اور اجازت مطلقہ حاصل کی[7]

یہیں امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی بھی تھے۔ جو چار واسطوں سے امام ترمذی کے شاگرد تھے۔ ان سے صاحب ہدایہ نے ترمذی شریف کا درس لیا۔ اور اجازت لی[8]

اس کے علاوہ مرغینان ہی میں شیخ ضیاء الدین صاعد بن اسعد مرغینانی سے بھی ترمذی کا درس لیا اور پھر اجازت پائی[9]

<u>رشدان</u> یہ مرغینان ہی کا ایک گاؤں اور امام برہان الدین کا اصل وطن ہے۔ یہاں ایک بار الامام الخطیب الزاہد محمد بن احمد الجادکی تشریف لائے۔ امام برہان الدین کے یہاں قیام فرمایا۔ امام نے ان سے درس حدیث لیا اور اجازت لی[10]

شیخ ابوبکر بن حاتم رشدانی، رشدان ہی کے باشندہ اور الحکیم الامام الزاہد کے لقب سے معروف تھے۔ صاحب ہدایہ نے ان سے بھی تعلیم حاصل کی جس کا انہوں نے اپنی معجم المشائخ میں ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں[11]

---

[1] الجواہر ج ۱ ص ۳۹۱ [2] ایضاً ج ۱ ص ۴ ، [3] ایضاً ج ۲ ص ۷۶ [4] ایضاً ج ۱ ص ۳۴۵ [5] ایضاً ج ۲ ص ۱۲۱ [6] ایضاً ج ۱ ص ۲۸۰ [7] ایضاً ج ۱ ص ۴۰۵ [8] ج ۱ ص ۱۹۸ [9] ج ۱ ص ۲۵۹ [10] ج ۱ ص ۱۳ [11] ج ۱ ص ۲۷۲

اوش | شیخ الاسلام نصیر الدین محمد بن سلیمان اوشی اپنے علم وفضل کے علاوہ زہد وعبادت میں بھی مشہور اور ممتاز تھے اور زاہدوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام مسموعات کی اجازت خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر صاحب ہدایہ کو روانہ کی[1]

حرمین وہمدان | ۵۴۴ھ میں صاحب ہدایہ نے شیخ الاسلام صفی الدین ابوحفص عمر بن عبدالمومن گجوادری بلخی کے ہمراہ سفر حج کیا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور پھر بعد میں ہمدان وغیرہ کی راہ سے سفر واپسی بھی ایک ساتھ ہوا۔ اس طویل سفر میں جو ایک سال سے زیادہ مدت تک جاری رہا صاحب ہدایہ نے شیخ الاسلام صفی الدین سے درس حدیث لیا اور مختلف مسائل زیر بحث رہے۔ انہوں نے اپنے مرویات و مسموعات کی اجازت مرحمت فرمائی[2]

بغداد | مؤلف ہدایہ اپنی کتاب التجنیس والمزید میں اپنے بغداد کے سفر کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جہاں انہوں نے شیخ برہان الدین ابوالحسن علی بن الحسن[3] بن عبداللہ الغزنویؒ سے سماعت حدیث کی۔ شیخ کے لئے انہوں نے الامام الاجل الزاہد کے الفاظ استعمال کئے ہیں[4]

(باقی آئندہ)

---

[1] الجواہر ج ۲ ص ۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۹۲ [3] حافظ شمس الدین محمد بن علی داؤدی (م ۹۴۵ھ) نے شیخ کا نام اس طرح لکھا ہے۔ شیخ علی بن الحسین بن عبداللہ الغزنوی الواعظ۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ غزنوی عربی و فارسی میں گفتگو کرتے تھے۔ خوش مزاج اور خوش گفتار تھے۔ فقہ وتفسیر سے واقفیت اچھی تھی۔ مروت و شرافت، سخاوت اور بذل و عطا میں کامل اور مسلکاً حنفی تھے۔ مستظہر باللہ خلیفہ عباسی کی اہلیہ نے ان کے لئے ایک رباط تعمیر کرادی تھی۔ وزراء و اکابر بلکہ خود خلیفہ بھی ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ شیخ غزنوی کا انتقال ۵۵۱ھ میں ہوا ہے۔ ابن جوزی نے ان کو مائل بہ تشیع لکھا ہے۔ (دیکھئے داؤدی کی تصنیف طبقات المفسرین ج ۱ ص ۹۰ مطبوعہ ۔۔۔ [4] کتاب التجنیس والمزید ص ۱ (نسخہ قلمی دارالمصنفین)

قارئین کے خطوط

سرسید اور اس کا فتنہ | ماہنامہ الحق کا ستمبر کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ آپ کی دینی خدمات پر لاکھ لاکھ مبارک۔
آپ نے جو سرسید اور مرزا قادیانی کا موازنہ کیا۔ میں نے آپ سب کے لئے اور جناب ضیاء الدین لاہوری کے لئے لاکھ لاکھ دعائیں
کیں۔ آپ میرے آگے آگے چل رہے ہیں۔ میں اس مضمون کی طرف آنے والا تھا۔ آج کا نوائے وقت (۲۷ر اکتوبر) پڑھیں جس میں
راقم نے "تاشقند کے اصلی راز" کی دوسری قسط میں اس سازش کا ذکر کیا ہے کہ پاکستان کے نظریاتی رخ کو مکہ و مدینہ کی طرف نہ جانے
دیا جا رہا ہے۔ اور لارڈ میکالے کے بت کو سرسید کا لبادہ پہنا دیا گیا ہے۔ کہ ہماری حکومت کے طریقے یعنی سول سروس۔ عدلیہ
قانون۔ فوجی حکمت عملی مدنیت سب کچھ انگریزوں یا یورپ کی نقالی ہے۔

میں سرسید کو اسی لئے آہستہ آہستہ لانا چاہتا تھا کہ نعمت اللہ شاہ ولی اللہ پیشین گوئی فرما گئے تھے کہ "دو احمد" احمد کا
نام اپنا کر اس خطہ میں بہت بڑا فتنہ مچائیں گے۔ اسی وجہ سے میں ان دونوں کے نام کے ساتھ احمد کا لفظ استعمال نہیں کرتا
اور "غلام کذاب" اور "سرسید" کہتا ہوں۔

دراصل سرسید کا کردار "غلام کذاب" سے بھی گیا گذرا ہوا ہے۔ اور جتنا نقصان سرسید نے کیا یا سرسید کے نام سے
جتنا فساد پھیل رہا ہے اتنا نقصان غلام کذاب سے نہیں ہو رہا۔ ہماری موجودہ تعلیم بے مقصد ہے اور سرسید کو جتنا جلدی
"دفن" کر دیں بہتر ہو گا۔ ہم اس کے نام سے اور یونیورسٹیاں قائم کرنا چاہتے ہیں کہ بالکل اندھے ہو گئے ہیں ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف (اقبال)

اور علامہ اقبال نے کہا ہے

تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں ڈینگ مار

اسلامی تعلیم کا پہلا اصول یہ ہے کہ انسان کا کردار اسلامی بنایا جاتا ہے اس کا عقیدہ اور ایمان صحیح کیا جاتا ہے اس کو

بزرگوں کا ادب اور تابعداری سکھائی جاتی ہے۔ اور سرسید کی تعلیم کے لحاظ سے بقول علامہ اقبال شاہین بچوں کو خاکبازی کا سبق دیا جاتا ہے۔ یعنی اسلام کی تعلیم منطق الطیر ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ اور جناب فریدالدین عطار نے اپنی کتاب کا یہی نام رکھا۔ لیکن سرسید کی تعلیم مادیت کی تعلیم ہے کہ نوکری کیسے حاصل کی جائے۔ بابو کیسے بنا جائے تجارت میں سود در سود کی حرام کمائی کیسے کھائی جائے۔ سٹہ اور دلالی کیسے کی جائے۔ یعنی ساری تجارت۔ مالیات۔ معاشرت اور مدنیت باطل فلسفوں پر مبنی ہے۔ بلکہ تاریخ کی کتابیں بھی وہ پڑھائی جاتی ہیں جو انگریز مسٹر جی الیس ایلیٹ نے لکھیں۔ یا جادو ناتھ سرکار نے۔ اور قانون انگریزی جس کے قانون شہادت کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے۔

پیدا ہوئے وکیل تو ابلیس نے کہا
لو ہم بھی آج صاحب اولاد ہوگئے (اکبر الہ آبادی)

ہاں صرف دو غیر جانبدار مضامین ہیں۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہیں۔ لیکن جب سرسید نے علی گڑھ میں کام شروع کیا تو وہاں سائنس پڑھائی ہی نہیں جاتی تھی۔ اور غیر ملک والے ہمیں سائنس کی باتیں بتلانے کو تیار نہیں۔ وہ سائنس کے ساتھ اپنی ثقافت کا یلغار بھی کر دیتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیق بھی ہمیں خود کرنا ہوگی اور اسلام کے لحاظ سے یہ سب کچھ ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ کہ ایمان کا ایک مرتبہ ہے کہ دنیا کے سب علوم مسلمان یا مومن کے سامنے آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاءؓ کو ایمان کی اسی سطح پر لے گئے کہ وہ جرنیل۔ سائنسدان۔ عالم۔ فقیہ اور فقیر سب کچھ بن گئے۔

اصل چیز اسلامی فلسفہ حیات ہے کہ مسلمان ایسی زندگی بسر کرتا ہے کہ غیرت، و عقیدہ کی حفاظت۔ اس کے سب کام اللہؐ اور رسولؐ کے لئے ہوں نہ کہ غلام کذاب اور سرسید کی نقل کہ وہ سب کچھ اپنے حاکم وقت کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔ آپ کے محقق اب اس کام پر لگ جائیں کہ غلام کذاب اور سرسید کے فتنے سے قوم کو آگاہ کریں اور اپنے نظام تعلیم کو اسلامی بنائیں۔ راقم کو وقت ملا تو اپنا حصہ ادا کرتا رہے گا۔

خداوند تعالیٰ آپ کے دارالعلوم کو اور زیادہ دینی ترقی دے۔ آمین (ریٹائرڈ) میجر میر افضل خان۔ راولپنڈی

٭ بسلسلہ سرسید اور مرزا قادیانی ایک تائیدی حوالہ پیش کیا جاتا ہے اگر مناسب سمجھیں تو اسے کسی اشاعت میں جگہ دیدیں۔

۱۱ مارچ ۱۸۷۰ء کو سرسید احمد خان صاحب نے لندن میں ملکہ معظمہ سے جو ملاقات کی اس کا نقشہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

"جب ملکہ معظمہ تشریف لائیں تو میں نے بھی مثل تمام درباریوں کے اپنے نمبر پر جا کر سلام کیا سلام کرنے کا دستور یہ ہے کہ ملکہ معظمہ سے ہاتھ ملا کر اور بایاں گھٹنہ ٹیک کر حضور ممدوحہ کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہیں"

(مسافران لندن۔ مرتبہ سرسید۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور صد ۲۰۴) (محمد زاہد الحسینی۔ اٹک)

محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد

نوٹس دوبارہ طلبی ٹینڈر

۱- محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے مندرجہ ذیل کاموں کے لئے ٹینڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	تخمینہ لاگت	زرضمانت	میعاد تکمیل کام
۱-	ہنگو کالج میں ہاسٹل کی تعمیر سب ہیڈ: پہلی منزل (بلڈنگ ورک)	۹۶۴،۰۰۰/-	۱۹،۲۸۰/-	۸ ماہ
۲-	صابر آباد (کرک) میں پولیس پوسٹ کی تعمیر	۸۴۰،۳۰۰/-	۱۶،۸۰۶/-	۱۴ "

۲- درخواستیں برائے ٹینڈر فارم مندرجہ ذیل کوائف کے ساتھ مورخہ ۲۸-۱۱-۸۴ کو دن کے ۱ بجے تک زیر دستخطی کے دفتر واقع بلڈنگ ڈویژن کوہاٹ کو پہنچ جانی چاہئیں۔

۱- بحیثیت ٹھیکیدار محکمہ میں درج شدہ نام و پتہ ۲- رجسٹریشن فیس کی رسید (فوٹو سٹیٹ کاپی) ۳- موجودہ کاموں کی فہرست جس میں (ل) کام کا نام (ب) لاگت (ج) تکمیل کی میعاد (د) کام شروع کرنے کی تاریخ (س) کام کی تکمیل کی تاریخ (ص) اب تک جتنا کام کیا اس کا تخمینہ کے متعلق تفصیل درج کریں۔

۳- ٹینڈر فارم مستحق ٹھیکیداروں کو مبلغ ۵۰/- روپے نقد ادائیگی (ناقابل واپسی) پر مورخہ ۲۹-۱۱-۸۴ کو دن کے ۸ بجے تا ۱۰ بجے جاری کئے جائیں گے۔

۴- سر بمہر ٹینڈر مورخہ ۲۹-۱۱-۸۴ کو دن کے ایک بجے تک وصول کئے جائیں گے۔ اور اسی دن متعلقہ ٹھیکیداروں یا ان کے مختار کارندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

۵- زرضمانت بصورت کال ڈیپازٹ بحق ایگزیکٹو انجینئر بلڈنگ ڈویژن کوہاٹ ٹینڈر فارم کے ساتھ منسلک ہونا چاہئے۔ نقد رقم بطور زرضمانت وصول نہیں کی جاوے گی۔

۶- مشروط، نامکمل یا بذریعہ تار ٹینڈر قابل قبول نہیں ہوں گے۔

۷- افسر مجاز کو حق حاصل ہے کہ وہ بلا اظہار وجوہ کسی یا تمام ٹینڈروں کو مسترد کر دے۔

۸- مزید معلومات دفتر ہذا سے کسی بھی یوم کار دفتری اوقات میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

محمد اسمٰعیل خان

ایگزیکٹو انجینئر بلڈنگ ڈویژن کوہاٹ

INF (P) 2632

دفتر ڈین پوسٹ گریجویٹ میڈیکل انسٹیٹیوٹ اینڈ منسٹریٹر لیڈی ریڈنگ ھسپتال پشاور

آسامیاں خالی ھیں

پوسٹ گریجویٹ میڈیکل انسٹیٹیوٹ لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں مندرجہ ذیل سینئر رجسٹرار کی اسامیوں کے لیے درخواستیں مطلوب ہیں جو دستخط کنندہ کو مورخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۸۴ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

۱۔ میڈیکل اے۔ ۲۔ گائنی اے۔ ۳۔ آئی۔ ۴۔ آرتھوپیڈک۔

درخواستیں درج ذیل کی پوری پوری وضاحت پر مشتمل سادہ کاغذ پر ارسال کی جائیں۔

۱۔ درخواست گذار کا نام بمعہ ولدیت، پتہ ۲۔ عمر و تاریخ پیدائش۔ ۳۔ ڈومیسائل/شہریت۔ ۴۔ تعلیمی قابلیت۔ ۵۔ تجربہ کی تفصیل (i) علمی (ii) تدریسی خصوصاً حاصل کردہ مہارت میں پڑھانے کا تجربہ۔

اھلیت

۱۔ صرف صوبہ سرحد کے باشندے اہل ہوں گے۔

۲۔ آسامیوں کے لئے تعلیمی قابلیت وہی ہے جو کہ پاکستان میڈیکل اور ڈینٹل کونسل نے مقرر کی ہے۔

۳۔ سپیشلٹی میں پاکستان میڈیکل اور ڈینٹل کونسل کی تسلیم شدہ پوسٹ گریجویٹ کوالیفیکیشن آسامی کے لئے میری ریکوائرمنٹ میں سے ایک ہے۔

الف۔ ایم بی بی ایس/ایف۔ آر۔ سی۔ ایس۔ ایم۔ ڈی (پاک) پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایف۔ سی۔ پی۔ ایس۔ یا برابری۔ یا ایم ایس۔ یا کوئی برابری قابلیت جو مذکورہ کونسل نے مقرر کی ہو۔

ب۔ ایم بی بی ایس ہمعہ پوسٹ گریجویٹ (ڈپلومہ) یعنی ایم سی پی۔ ایس۔ مطلوبہ قابلیت ہیں جو پوسٹ گریجویشن سے پہلے ہو یا بعد میں پوسٹیں بی پی ایس ۱۸ کی ہیں۔

ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ، گورنمنٹ ملازمین جو اس پوسٹ کے متمنی ہوں اپنے افسران مجاز کی وساطت سے درخواستیں ارسال کریں۔ جو کہ مقررہ تاریخ تک لازماً پہنچ جانی چاہئیں۔ آسامیاں ایڈھاک کی بنیاد پر پُر کی جائیں گی جن پر باقاعدہ تعیناتی صوبائی پبلک سروس کمیشن کے ذریعے کی جائے گی۔

کوئی سفر خرچہ نہیں دیا جائے گا۔

انٹرویو دفتر دستخط کنندہ ذیل میں ۸ر دسمبر ۱۹۸۴ء صبح (۹) نو بجے ہوگا۔

ڈین

پوسٹ گریجویٹ میڈیکل انسٹیٹیوٹ۔ لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور

INF(P)2624

از جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب

بھارت کا تازہ سفرنامہ

سہارنپور - کلیر شریف - منگلور - ہردوار - رشی کیش

اگلے روز میں ناشتہ کر کے بازار چوب فروشاں میں مدرسہ مظاہر العلوم دیکھنے گیا۔ وہاں میری ملاقات علیم اللہ ناظم کتاب خانہ سے ہوئی۔ انہوں نے میرا تعارف شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب سے کرایا۔ ان سے یہ میری پہلی ملاقات تھی لیکن موصوف برہان کے حوالے سے مجھ سے متعارف تھے۔ انہوں نے چائے سے میری تواضع کی اور دیر تک علمی موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ شیخ الحدیث بالکل نوجوان ہیں اور ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ برعظیم پاک و ہند کے کسی مدرسے میں اتنا نوعمر شیخ الحدیث نہیں ہے۔ موصوف کھیتا سرائے ضلع جونپور کے ایک نواحی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ طالب علم مظاہر العلوم میں ہیں۔ اور ان میں اکثریت گجراتی، بہاری اور بنگالی طلبہ کی ہے۔

ناظم کتاب خانہ نے مجھے مدرسے کی خوبصورت مسجد دکھائی جو کلثوم نامی ایک مخیر خاتون نے بنوائی ہے اور اسی کے نام سے منسوب ہے۔ طلبہ کا ایک ہاسٹل اسی بازار میں تھوڑے سے فاصلے پر ہے اور اس کی مسجد بڑی وسیع ہے۔ اسی مسجد میں حضرت مولانا محمد زکریا مرحوم و مغفور اپنے متوسلین کے ساتھ اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔

مظاہر العلوم سے فارغ ہو کر میں بس اسٹینڈ پر پہنچا۔ اور رڑکی جانے والی بس میں سوار ہو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے میں بس رڑکی پہنچ گئی۔ بس اسٹینڈ سے میں ایک رکشا میں سوار ہو کر نہر کے پل پر پہنچا۔ وہاں کلیر شریف جانے کے لیے رکشے ہر وقت ملتے ہیں۔ رڑکی سے کلیر شریف کا فاصلہ سات کلو میٹر ہے اور تین روپے میں رکشا والے وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ رڑکی سے کلیر شریف تک نہر کے کنارے کنارے جاتے ہیں اسی نہر کے بارے میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے فرمایا تھا کہ اس کے پانی میں انوار نبوت دکھائی دیتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا پانی کسی نبی کی قبر کے پاس سے گذر کر آتا ہے۔

میں ساڑھے بارہ بجے کے قریب کلیر شریف پہنچا۔ اس وقت جمعہ کی اذان ہو رہی تھی۔ اذان کے بعد درگاہ کے احاطے میں نوبت بجنے لگی۔ میرے استفسار پر نقارچی نے بتایا کہ وہاں جمعہ کی نماز کے لئے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے نوبت بجائی جاتی ہے۔ میں نے درگاہ کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ اور نماز کے بعد حضرت علاء الدین علی احمد صابرؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا۔

حضرت صابرؒ کا مزار ایک وسیع احاطے کے وسط میں واقع ہے۔ مزار پر ایک سفید گنبد بنا ہوا ہے جس میں سبز دھاریاں بڑی خوب صورتی کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ روضہ مبارک کے چاروں کونوں میں برجیاں تعمیر کی گئی ہیں مزار شریف کے گرد غلام گردش بنا ہوا ہے جس میں زائرین قرآن خوانی اور ذکر و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔

درگاہ کی مسجد میں وضو کا بڑا اچھا انتظام ہے لیکن طہارت خانہ کوئی نہیں ہے۔ اس لئے زائرین استنجا کے لئے باہر کھلے میدان میں جاتے ہیں۔ اور وہاں بڑی بے حیائی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کاش یوپی وقف بورڈ اس طرف بھی توجہ دے۔ درگاہ کی حدود میں مسلمان بی بیاں بے پردہ گھومتی ہیں کم از کم ایسی جگہوں پر عورتوں کے یوں کھلے بندوں گھومنے پھرنے پر پابندی عائد کرنی چاہئے۔

یوپی وقف بورڈ نے درگاہ کے قریب ایک پرائمری اسکول کھولا ہوا ہے۔ درگاہ سے باہر متعدد دکانیں ہیں جہاں تبرکات اور کھانے پینے کی اشیاء مل جاتی ہیں۔ کلیر شریف کی مختصر سی آبادی پر جنگل میں منگل کی ضرب المثل صادق آتی ہے۔

حضرت علاء الدین علی احمد صابرؒ سے چشتیہ صابریہ طریقہ کی اشاعت ہوئی۔ ان کے واحد خلیفہ حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی[1] سے حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتیؒ فیض یاب ہوئے اور ان سے حضرت احمد عبدالحق ردولویؒ نے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حضرت احمد کے بعد ان کے فرزند ارجمند شیخ عارف مسند نشین ہوئے اور ان کے جانشین ان کے فرزند شیخ محمد ہوئے۔ آخر الذکر بزرگ سے حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے فیض پایا۔ شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا سلسلہ بیعت چند واسطوں سے حضرت عبدالقدوس سے جا ملتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

---

[1] مسلم وقف بورڈ ہریانہ کی غفلت اور نالائقی کے سبب حضرت شمس الدین ترکؒ کے مزار کو ایک سکھ نے گوردوارے میں تبدیل کر دیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی مکہ مکرمہ جا کر حاجی صاحب سے فیض یاب ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الہند نے علومِ ظاہری کی تحصیل حضرت نانوتویؒ سے اور علوم باطنی کی تعلیم حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہ کر مکمل کی تھی۔ یہ محض حُسنِ اتفاق نہیں کہ گذشتہ ایک صدی میں جن بزرگوں نے برعظیم پاک و ہند میں تجدیدِ دین کا بیڑا اٹھایا۔ ان کا روحانی تعلق حضرت علاء الدین علی احمد صابرؒ سے تھا۔

کلیر شریف سے میں رکشا میں سوار ہو کر رڑکی پہنچا۔ رڑکی بڑا صاف ستھرا شہر ہے۔ برطانوی عہد میں انجینئرنگ کالج ہوا کرتا تھا۔ اب یہ کالج ترقی کر کے یونیورسٹی بن گیا ہے۔ اس شہر میں ایک بڑی فوجی چھاؤنی بھی ہے۔

رڑکی کے بس اسٹینڈ سے مجھے منگلور جانے والی بس مل گئی۔ رڑکی سے منگلور کا فاصلہ پانچ میل ہے اور کرایہ صرف ستّر پیسے۔ چند منٹوں میں میں منگلور پہنچ گیا۔

اس تاریخی قصبے کی آبادی ۲۷ ہزار ہے اور اس میں مسلمانوں کا تناسب ستر فیصد ہے۔ وہاں ایک انٹرمیڈیٹ کالج بھی ہے اور چھوٹے چھوٹے کئی دینی مدرسے بھی ہیں ایک جگہ "توسیع تعلیم دیہاتی کتب خانہ" کا بورڈ بھی نظر آیا۔

بس سے اترتے ہی مجھے ایک رکشا مل گیا جو شاہ محی الدین صاحب کے عالی شان بنگلے پر لے گیا۔ اس بنگلے سے ملحق ایک وسیع و عریض مسجد کے صحن میں شمالی جانب قاضی محمد اسمٰعیل (م ۱۸۶۲ء) ان کے جانشین قاضی عبد الغنی منگلوریؒ (م ۱۹۲۸ء) اور ان کے فرزند قاضی عبد الولی (م ۱۹۸۱ء) کی کچی قبریں ہیں۔ قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کو میانجی نور محمد جھنجھانوی کے خلیفۂ ارشد شیخ محمد تھانویؒ سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ قاضی صاحب کی وفات کے وقت حضرت عبد الغنیؒ کی حالت اچھی نہ تھی۔ لیکن انہوں نے جلد ہی مجاہدہ و ریاضت کر کے خود کو اپنے والد بزرگوار کا صحیح جانشین ثابت کر دکھایا۔ ان کی دونوں حالتوں کا ذکر سید عبد الحیٔ لکھنویؒ نے "دہلی اور اس کے اطراف" میں بھی کیا ہے۔

قاضی عبد الغنی منگلوریؒ۔ اصغر گونڈوی۔ جگر مراد آبادی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے والد ماجد ڈاکٹر ابرار حسین کے مرشد تھے۔ خود مولانا اکبر آبادی ان ہی کی دعا سے پیدا ہوئے تھے جگرؔ نے ایک شعر میں اپنے مرشد گرامی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

پابندِ شریعت نبیؐ ہوں   خاکِ درِ دولت غنی ہوں

"شجرۂ مبارکہ سادات کاظمیہ منگلور" میں قاضی عبد الغنی کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

موجودہ سجادہ نشین شاہ محی الدین صاحب علی گڑھ کے گریجوایٹ ہیں۔ یوپی اسمبلی کے رکن اور صوبائی وزیر رہ چکے ہیں۔ جب میں مسجد سے باہر نکلا تو موصوف اپنے بنگلے - - - - - - - - - - - -

کے برآمدے میں کھڑے تھے ۔ میں نے اپنا نام بتایا تو بڑی محبت سے پیش آئے اور کھانے کے متعلق دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ میں سفر میں زیادہ کھانے سے پرہیز کرتا ہوں۔ انہوں نے کھانے پر اصرار کیا اور ایک ملازم بڑا اپٹر تکلف کھانا لے آیا۔ کھانے کے بعد میں نے اجازت چاہی تو فرمانے لگے کہ چائے پی کر جائیے گا۔ وہی ملازم تھوڑی دیر میں چائے لے آیا اور چائے سے فراغت کے بعد مجھے جانے کی اجازت دی۔ میں ان کے کریمانہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوا۔

منگلور بڑا تاریخی قصبہ ہے ۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وہاں تشریف لے جا چکے ہیں۔ سید عبدالحی لکھنوی "دہلی اور اس کے اطراف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جن قصبوں میں سید صاحب اور ان کے رفقاء نے قدم رنجہ فرمایا وہ آج تک سرسبز و شاداب اور خوب آباد ہیں۔ اور جہاں ان کی مخالفت ہوئی وہ قصبات اُجڑ گئے منگلور کو دیکھ کر یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ شجرہ مبارکہ کاظمیہ میں سید صاحب کے خاندان کی منگلور میں آمد کی بڑی لمبی چوڑی تفصیل درج ہے۔

جناب طفیل احمد منگلوری، جن کی تصنیف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" اب کلاسک کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اسی بابرکت قصبے کے رہنے والے تھے۔ مولانا محبوب الٰہی منگلوری، استاد مدرسہ فتحپوری جو خانقاہ سرجیہ کنڈیاں کے بزرگوں کے دامن سے وابستہ تھے اسی بابرکت قصبے کے رہنے والے تھے۔

منگلور سے میں دوبارہ رڑکی آیا اور وہاں سے چُٹمل پور کے راستے سہارنپور پہنچ گیا۔ میں نے اپنی قیام گاہ پر نماز عصر ادا کی اور سامان اٹھا کر دہرہ دون جانے والی بس میں سوار ہو گیا اور تقریباً سوا گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا۔ بس اسٹینڈ سے تھوڑے فاصلے پر ایک نو تعمیر ہوٹل میں، جو آکاش دیپ کے نام سے موسوم ہے، قیام کیا۔ اگلے روز میں ناشتہ سے فارغ ہو کر ہردوار جانے والی بس میں سوار ہوا اور ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا۔

ہردوار ہندوؤں کا بہت بڑا تیرتھ ہے اس مقام پر دریائے گنگا پہاڑوں سے نکل کر میدانی علاقے میں داخل ہوتا ہے۔ گنگا کے کنارے دُور تک ہوٹلوں اور مکانوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور دریا کا پانی مکانوں کو چھوکر آگے جاتا ہے۔ ہند کے ہنود اپنے مُردوں کی ہڈیاں اسی مقام پر گنگا میں بہاتے ہیں۔ اس لئے گھاٹوں پر ہر وقت میلہ سا لگا رہتا ہے۔ ہردوار میں پانی کا بہاؤ بڑا تیز ہے۔ اس لئے اشنان کرنے والوں کی حفاظت کے لئے گھاٹ پر لوہے کے موٹے موٹے زنجیر لٹکے ہوئے ہیں اور یاتری انہیں پکڑ کر دریا میں اشنان کرتے ہیں ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ گنگا میں اشنان کرنے سے پاپ (گناہ) دُھل جاتے ہیں۔

ان گھاٹوں پر بے حیائی کے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ پنجاب کی ہندو عورتیں عموماً کپڑوں سمیت اشنان

کرتی ہیں۔ لیکن اضلاع پورب کی عورتیں نیم عریاں ہوکر اپنے جسم پر پانی بہاتی ہیں۔ ان بدبختوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جتنے زیادہ لوگ انہیں عریاں حالت میں دیکھیں گے اتنے ہی ان کے پاپ دُھلیں گے۔

ہردوار کے مقام پر دریا میں ایک جزیرہ ہے جس کے کناروں کو پختہ کرکے اُسے ایک پُل کے ذریعے دریا کے ایک کنارے سے ملا دیا ہے۔ اس جزیرے کا گھاٹ "ہر کی پوڑی" کے نام سے موسوم ہے۔ اور وہاں اشنان کرنا باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔ میں نے بہت سے یاتریوں کو دیکھا کہ وہ ڈھاک کے پتوں سے بنے ہوئے دُونوں میں پھول رکھ کر دریا میں بہا رہے تھے۔ رات کے وقت پھولوں کے ساتھ ایک چراغ جلا کر بھی رکھ دیتے ہیں۔

میں نے پل کے قریب پھیری لگا کر سودا بیچنے والے ایک ہندو سے "ہر کی پوڑی" کا اتہ پتہ پوچھا۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا اور کہنے لگا کسی اور سے اس کے بارے میں سوال نہ کیجئے گا۔ وہاں برہمن بیٹھے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہیے گا۔

دریا کے کنارے لکڑی کے تخت پوشوں پہ پنڈت چھتر لگائے بیٹھے تھے۔ جب کوئی شخص کسی عزیز کے پھول (ہڈیاں) لے کر گنگا میں بہانے جاتا ہے تو یہی پنڈت مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں اور اس کا اچھا خاصا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ مسوری کے ایک سفر میں ایک ہندو نے جو اپنی ماں کے پھول لے کر ہردوار آیا تھا مجھے بتایا کہ برہمن چھ سات سو روپے تک وصول کر لیتے ہیں۔

دریا کے کنارے کم گہرے پانی میں ایک مندر ہے۔ وہاں پانی کی سطح تو پانچ فٹ کے قریب ہے لیکن پانی کا دھارا بڑا تیز ہے۔ اس کے باوجود میں نے کئی مردوں اور عورتوں کو اس مندر کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ دریا کے کنارے پر مُردوں کے لواحقین مستحقین کو کھانا کھلانے میں مصروف تھے۔ آوارہ گایوں کی بھی وہاں کمی نہ تھی۔ ان کی سیوا بھی ہندو دھرم کا جزو ہے۔ ایسی جگہ پر بندر بھی بکثرت نظر آتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق چونکہ ہنومان سے ہے اس لئے ہنود ان کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔

ہردوار شہر کے ایک طرف بڑا اونچا پہاڑ ہے۔ اور اس کی چوٹی پہ منسا دیوی کا مندر ہے۔ وہاں تک جانے کے لئے ایوبیہ جیسی لفٹ چیئر استعمال کرتے ہیں۔ آمد و رفت کا کرایہ صرف چار روپے ہے۔

ہردوار میں دریا کے پار ایک ایسا علاقہ بھی ہے جہاں مادر زاد ننگے سادھو سینکڑوں کی تعداد میں رہتے ہیں۔ ان کے عقیدت مند ہندو مرد اور عورتیں پھل اور مرغن کھانے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے دل کی مراد پانے کے لئے گھنٹوں ان کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا حیا سوز منظر دیکھنے

ہیں آئے گا۔ لیکن مذہبی عقیدت بھی عجیب چیز ہے۔

میں نے ہردوار میں ہندوؤں کو اپنی مذہبی رسوم ادا کرتے دیکھا اور اس بات پر غور کیا کہ رڑکی سے ہردوار جانے والے راستے پر کلیر شریف پڑتا ہے۔ حضرت علاء الدین علی احمد صابرؒ کی حیات میں جو یاتری ہردوار جاتے ہوں گے وہ سرِراہ ان کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوں گے۔ اور اب ان کی درگاہ کے پاس سے گزر جاتے ہیں آج بھی ایسے ہی کسی مخدوم کی اشد ضرورت ہے جو وہاں توحید کا پرچم بلند کر سکے۔

ہردوار کا ریلوے اسٹیشن دُور سے مندر معلوم ہوتا ہے۔ بنارس کے ریلوے اسٹیشن کا طرزِ تعمیر بھی بالکل ایسا ہی ہے ہردوار سے بذریعہ ریل یا بس رشی کیش جاتے ہیں وہاں تک بس کا صرف چالیس منٹ کا سفر ہے۔ یہاں بھی گنگا کے کنارے مندر اور مکانات قابلِ دید ہیں۔ رشی کیش سے تین میل آگے ایک پُرفضا مقام لچھمن جھولا کے نام سے موسوم ہے ہندوؤں کا یہ کہنا ہے کہ جب لچھمن تپ دق میں مبتلا ہوا تھا تو وہ بحالیٔ صحت کے لئے یہاں چلا آیا تھا۔ گنگا کے کنارے مکانات کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور دریا کا پانی برآمدوں میں چلا جاتا ہے۔ مکانوں کے عقب میں ایک سرسبز پہاڑ ہے ایسی پُرفضا جگہ شاید ہی کہیں ہو۔ دریا عبور کرنے کے لئے لوہے کے رسوں کا جھولا نما پل بنا ہوا ہے ہندوؤں نے اسے ہی لچھمن جھولا سمجھ لیا ہے۔

رشی کیش سے مجھے براہِ راست دہرہ دون جانے والی بس مل گئی اور میں تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا اگلے روز میں نے مسوری جانے کا پروگرام بنایا۔ دہرہ دون سے مسوری کا فاصلہ بائیس میل ہے اور بس دو گھنٹے میں وہاں پہنچا دیتی ہے۔ مسوری بہت ہی خوبصورت پہاڑی مقام ہے اور وہاں سے دہرہ دون صاف نظر آتا ہے۔ شہر میں چار مسجدیں ہیں اور شمالی مغربی یوپی کے کھاتے پیتے مسلمان رمضان گذارنے کے لئے وہاں چلے جاتے ہیں۔ میں نے پورا دن مسوری میں گذارا اور شام ہوتے ہی دہرہ دون چلا آیا۔

اگلی صبح میں دہرہ دون سے رڑکی گیا اور وہاں سے منگلور کے راستے دیوبند پہنچ گیا۔ منگلور سے دیوبند تک سڑک بڑی خراب ہے اور وہ چھوٹے چھوٹے دیہات اور کھیتوں میں سے ہو کر جاتی ہے۔ میں بس اسٹینڈ سے سیدھا دارالعلوم کے مہمان خانے میں پہنچا۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی دوپہر کا کھانا تناول کر کے قیلولہ فرما رہے تھے۔ میں نے انہیں جگایا اور انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ اور چند طالب علم رہنماؤں سے میرا تعارف کرایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں مولانا ظفر الدین مفتاحی سے ملنے گیا اور انہیں ساتھ لے کر خطۂ صالحین میں اکابر کے مزاروں پر حاضری دی۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جان کر تمام کتبے نقل کر لئے اور الواح الصنادید کے عنوان سے ماہنامہ بینات کراچی میں شائع کرا دئے۔

دار العلوم حقانیہ کے شب و روز
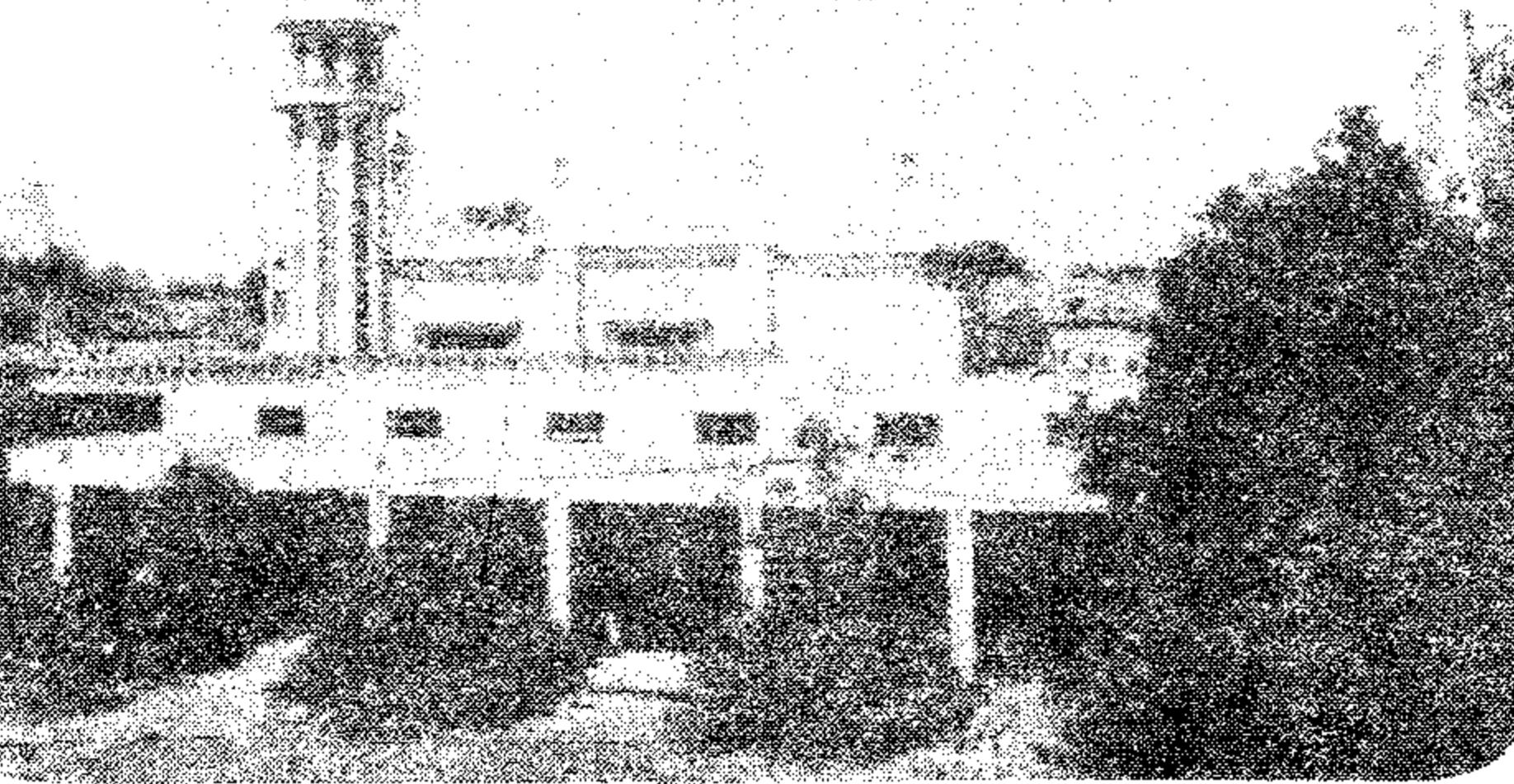
سہ ماہی امتحانات | ۲۷ اکتوبر کو دار العلوم کے سہ ماہی تقریری و تحریری امتحانات کا انعقاد ہوا۔ جو ہفتہ بھر جاری رہے امتحانات سے دو روز قبل امتحان کی تیاری کے لئے اسباق بند کردئے گئے۔ طلبہ ایک ماہ قبل سے امتحانات کی تیاری کے لئے بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ تکرار اور قابل رشک محنت میں لگے رہے۔

مسجد، دار الحدیث اور درس گاہیں رات گئے تک محنت و تکرار اور حفظِ اسباق کا شور و غل ناظرین کے لئے دلکش سماں پیش کرتے تھے۔ امتحان کے دنوں میں طلبہ کو مختلف ہالوں میں بٹھایا گیا۔ انتظامیہ اور دار العلوم کے اساتذہ نے پوری توجہ سے امتحانات کی نگرانی کی۔ اور اب نتائج پر کام جاری ہے۔ اس سال عنقریب ہر جماعت میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو انعامات دئے جائیں گے۔ عنقریب انشاء اللہ تقسیم انعامات کا جلسہ ہوگا۔

تبلیغی جماعت | ۱۳۱ اکتوبر تا ۲ نومبر کو عالم اسلام کی ہمہ گیر اور عالمی تحریک تبلیغ "تبلیغی جماعت" کا رائے ونڈ میں سالانہ اجتماع ہوا۔ ۳۱ اکتوبر سے دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے قافلے باقاعدہ طور پر جماعتی شکل میں رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔ یکم نومبر بروز جمعہ مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا انوار الحق صاحب اور کئی اساتذہ کرام کی اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور کو روانگی ہوئی۔

اس سال بھی حسب سابق اجتماع کی تاریخ سے دو روز قبل اور دو روز بعد ضلع دیر، چترال، سوات اور قریبی اضلاع نوشہرہ اور پشاور کے تبلیغی جماعت کے قافلے در قافلے دار العلوم رکتے رہے۔ دار العلوم کی وسیع جامع مسجد کو اپنی تنگ دامنی کا شکوہ رہتا۔ نماز کی کئی کئی جماعتیں ہوتی رہیں۔ مسجد کے مشرقی جانب برآمدے، طلبہ کے ہاسٹلوں کے احاطے اور درسگاہیں اور صحن میں بھی نماز کی جماعتیں ہوتی رہیں۔

دار العلوم کی انتظامیہ نے بھی مہمانوں کی شرکت اور ہجوم کی وجہ سے ان کی سہولت کے لئے جگہ جگہ روشنی، پانی اور رہنمائی کا انتظام کر دیا تھا۔ اساتذہ اور طلبہ کی بعض جماعتیں اخلاقی طور پر مہمانوں کی رہنمائی کی خدمت انجام دیتی رہیں۔

مدیر الحق کی مصروفیات | ۱۴ نومبر کو مولانا سمیع الحق صاحب نے پشاور میں مؤتمر عالم اسلامی کی صوبائی کونسل میں شرکت کی۔ اور خطاب بھی فرمایا۔ اس سے قبل کچھ دیر کے لئے صوبائی وزیر مذہبی امور کی طلب کردہ علماء کی میٹنگ میں

اسلامی نظام کا نفاذ کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۷، ۱۸ ، ۱۹ نومبر کو آپ نے اسلام آباد میں منعقدہ حج کانفرنس میں شمولیت کی اور کمیٹی نمبر ۲ کی شکل میں اپنی تجاویز و مشورے پیش کئے۔ اس اجتماع میں صدر پاکستان نے بھی شرکت کی۔

۳۰ اکتوبر کو آپ نے تحصیل نوشہرہ کے قصبہ خویش مقام میں علاقہ بھر سے آئے ہوئے مشائخ و علماء اور معززین کا ایک عام اجتماع منعقد ہوا۔ مولانا سمیع الحق صاحب کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ آپ ۱۰ بجے تشریف لے گئے نوشہرہ کے سے خویش مقام تک مختلف مقامات پر علاقہ بھر سے آئے ہوئے مخلصین اور معتقدین نے جگہ جگہ جھنڈیاں لے کر آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے خویش مقام میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب بھی فرمایا۔

واردین و صادرین | ۲۰ نومبر مولانا سید ابوذر عطاء المنعم بخاری ابن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ دارالعلوم تشریف لائے شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی۔ رات کا قیام دارالعلوم میں رہا۔

مولانا محمد بنوری صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ دارالعلوم تشریف لائے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے دفتر اہتمام میں ملاقات کی۔ اور کراچی کے حالات پر تبادلہ خیال کیا

اسی طرح ۲۱ نومبر کو برما سے مولانا احمد سعید تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور وہاں کے مسلمانوں کے مذہبی حالات سے متعلق افسوسناک حالات بیان کئے

تعزیت متعلقین | ۲۴ نومبر کو اسماعیل خیل تحصیل نوشہرہ کے مولانا رحیم اللہ بادشاہ و مولانا شاہ اللہ بادشاہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ مرحومہ کے دونوں صاحبزادے دارالعلوم کے قابل قدر فضلاء ہیں۔ مرحومہ کا خاندان حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے قریبی احباب عشاق جاں نثار اور دارالعلوم کے مخلصین میں سے ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ضعف کے باوجود وہاں جا کر نماز جنازہ پڑھائی۔ پسماندگان کو تسلی دلائی۔ اور مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔

★ ۱۸ نومبر دارالعلوم حقانیہ کے اولین مخلصین اراکین مجلس عاملہ میں جناب الحاج غلام محمد صاحب اکوڑہ میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم حضرت شیخ الحدیث کے اولین رفقاء اور دارالعلوم کے مخلص کارکن اور خدام میں سے تھے۔ دوسرے روز صبح ساڑھے نو بجے دارالعلوم کے مغربی جانب عیدگاہ میں حضرت شیخ الحدیث نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی خواہش پر دارالعلوم کے قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔

★ میرپور خاص سندھ میں الحق کے قدیم و اولین ناشر جناب حاجی امید علی صاحب وفات پا گئے عرصہ سے الحق اور دینی جرائد کی اشاعت میں اخلاص سے مصروف رہے۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

پاکستان
سورج کی شعاعوں کی تسخیر کر رہا ہے
اپنی محنت اور اپنے وسائل پر بھروسہ کرتے ہوئے پاکستانی
سائنسدان اور ماہرین توانائی میں اضافے کے لیے مسلسل
کوشاں ہیں۔ بائیو گیس، بائیو بجلی اور شمسی توانائی کے ذریعے
ملکی ضرورت پوری کرنے کی برابر کوشش کی جا رہی ہے۔
حکومت کے ترقیاتی منصوبوں میں سورج کی شعاعیں تسخیر کرنے
والا جنوب مشرقی ایشیا کا سب سے بڑا سولر پی وی سسٹم
گزشتہ ایک سال سے کامیابی سے کام کر رہا ہے۔
ادارہ وسائل توانائی
وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل حکومت پاکستان
PID-ISL
ORIENT
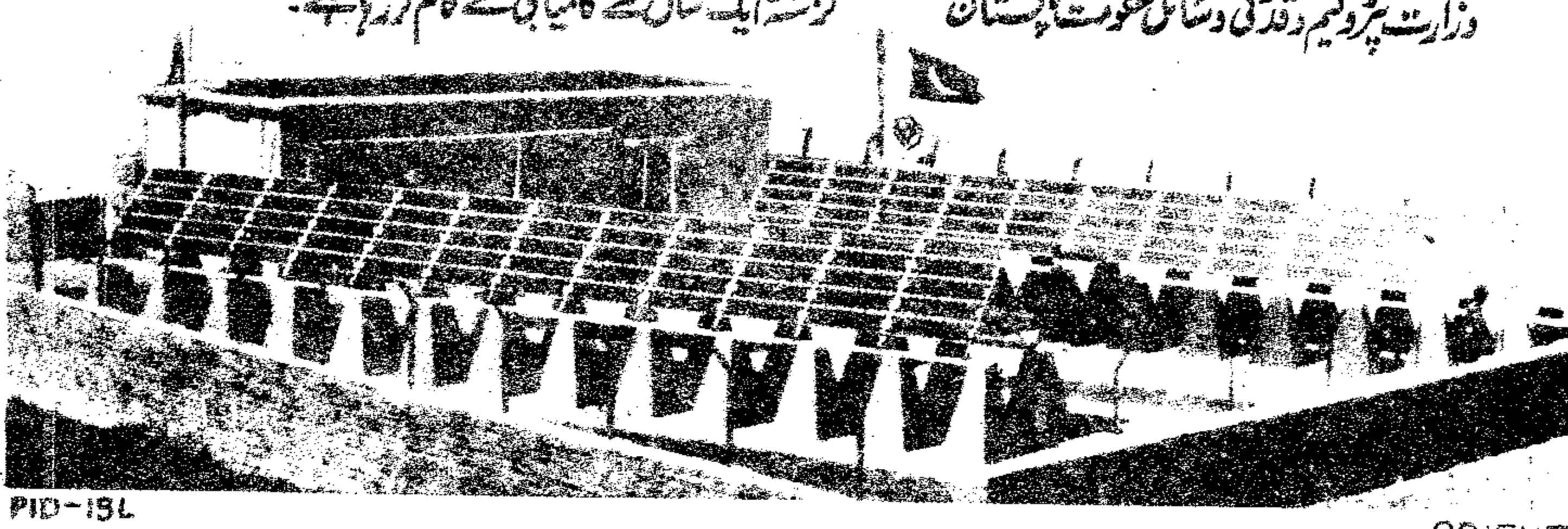
شارٹ ٹینڈر نوٹس

فرنٹیئر کور این۔ ڈبلیو۔ الف۔ پی کے ان منظور شدہ ٹھیکیداروں سے جنہوں نے مالی سال ۸۵-۱۹۸۴ء کیلئے تجدید کروالی ہو مندرجہ ذیل کاموں کے لئے پاک پی۔ ڈبلیو۔ ڈی شیڈول ۱۹۸۲ پر آئیٹم ریٹ پہ سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔ منظور شدہ ٹینڈر فارم دفتری اوقات میں مقررہ قیمت پر دفتر ہذا سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ٹینڈر بذریعہ رجسٹری پوسٹ آفس ارسال کئے جائیں گے۔ کوئی دستی یا غیر رجسٹری شدہ ٹینڈر قابل قبول نہیں ہوگا۔

ٹینڈر ۱۵ دسمبر ۱۹۸۴ء تک دفتر ہذا میں موصول ہونے چاہئیں جو مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۸۴ء کو بوقت دس بجے دن ٹھیکیداروں یا ان کے نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

ٹینڈر لفافے پر کام کا نام اور فرم کا نام لال سیاہی سے صاف صاف لکھنے چاہئیں۔

پنسل سے بھرے ہوئے فارم یا فارم کے اندر کسی قسم کا ردوبدل یا ٹوٹل وغیرہ میں فرق ہونے کی صورت میں ٹینڈر مسترد کر دیا جائے گا۔ زیر دستخطی کو بغیر کوئی وجہ بتائے کسی بھی ٹینڈر کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

زرِ ضمانت کا ٹینڈر کے ساتھ بذریعہ بنک کال ڈیپازٹ بنام انسپکٹر جنرل فرنٹیئر کور این۔ ڈبلیو۔ الیف۔ پی منسلک ہونا ضروری ہے۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	سٹیشن	تخمینہ لاگت	زرِ ضمانت	میعاد
۱	سپلائی آف ہارڈ بورڈ اور سافٹ بورڈ	پشاور	Rs. 71,625/-	کل رقم کا پانچ فیصد	تین ہفتے

(محمد الیاس ملک)
میجر انجینئر
جی۔ ایس۔ او ٹو ورکس

PID(P) 967

تعارف و تبصرۂ کتب
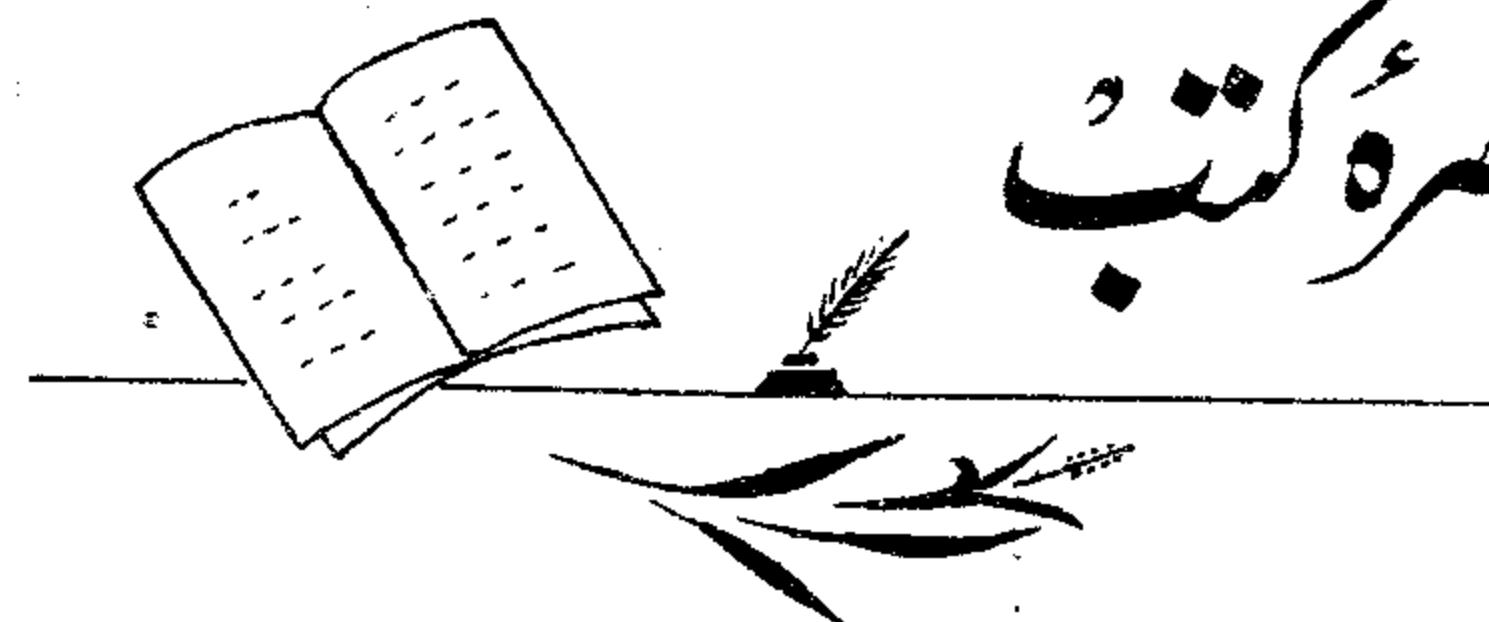
علماء دیوبند اور مشائخ پنجاب | از مولانا محمد عبداللہ صاحب بھکر۔ صفحات ۶۳۔ قیمت ۳ روپے۔
پتہ مکتبہ سیرت کمیٹی۔ مین بازار بھکر

امت کے افتراق اور تفرقہ و انتشار کے اس دور میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ملت کی وحدت کا سوچنے اور انہی خطوط پر قدم اٹھاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا محمد عبداللہ صاحب کو جنہوں نے "علماء دیوبند اور مشائخ پنجاب" کے نام سے رسالہ لکھ کر امت کی وحدت اور اتحاد میں اپنی جانب سے پیش رفت کردی ہے اکابر علماء دیوبند اور مشائخ پنجاب کی مساعی انگریز کے خلاف جہاد، ایک دوسرے پر اعتماد اس کتابچہ کا عنوان ہے خدا کرے کہ اس کے نتائج اچھے ہوں اور موصوف کی محنت بارآور ہو۔ (ع۔ق۔ح)

رسالہ انسیہ (فارسی، اردو) | "تالیف حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ العزیز۔ تصحیح و ترجمہ۔ محمد نذیر رانجھا صفحات ۱۱۲۔ قیمت ۱۲ روپے۔ پتہ۔ مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سراجیہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

مولانا یعقوب چرخی، سلسلہ نقشبندیہ کے اعاظم اساطین سے ہیں۔ موصوف اس راہ و رسم کے شناور تھے حضرت چرخیؒ کے مقام، عظمت اور سلوک و تصوف میں دستگاہ وہی جانتے ہیں جنہیں اس راہ سے کچھ شناسائی ہے پیش نظر رسالہ موصوف کی تصنیف ہے۔ جس میں حضرت نقشبندؒ اور حضرت عطارؒ کے بنیادی معمولات اور سلسلہ نقشبند کے فضائل بیان کئے گئے ہیں رسالہ کی اصل زبان فارسی ہے۔ مولانا محمد سعد سراجی مرشد بابا کے ذوق و خواہش پر جناب محمد نذیر رانجھا صاحب نے اس کا سلیس اور آسان اردو ترجمہ کر دیا ہے جسے محترم مرشد بابا نے اعلیٰ و عمدہ کتابت اور زیور طباعت سے آراستہ کر دیا ہے۔ (ع۔ق۔ح)

فضیلت و اہمیت دعا | از مولانا جلال الدین صاحب حقانی فاضل حقانیہ۔ صفحات ۶۴۔ قیمت ۶ روپے

مولانا جلال الدین حقانی، دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء سے ہیں۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے خصوصی خادم اور نماز کی امامت کا شرف بھی حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس وقت بھیرہ شہر میں عظیم علمی و دینی اور مسلک کی اشاعت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پیش نظر رسالہ ان کے تصنیفی سلسلہ کا نقش ثانی ہے جو ماشاءاللہ

نقش اول سے موسوم ہے۔ جو دعا کی فضیلت و اہمیت پر مشتمل فرمایا ہے۔ ابتداء میں قرآن و حدیث کی روشنی میں دعا کی ضرورت و اہمیت پر بحث کی ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شبانہ روز معمول کے ادعیہ (ماثورات) نقل کئے ہیں۔

اس کتاب کا انتساب بھی اپنے شیخ و استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے نام کیا گیا ہے طباعت معیاری ہے اور قیمت معقول۔ تحریر سلیس اور آسان ہے ادنیٰ تعلیم والے بھی اس سے آسانی سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

پتہ۔ دار العلوم عربیہ خضریہ۔ محلہ پراچگان بھیرہ۔ (ع۔ق۔ح)

شفاء القلوب فی رد الشرک و الشکوک | از جناب قاری عبدالمجید صاحب بن سرفراز خان مہمند صفحات ۸۰۰ قیمت درج نہیں، پتہ مدرسہ انوار الاسلام کی مسجد کیہال، ایبٹ آباد

اسلام کے تین بنیادی عقائد میں توحید سب سے مقدم اور کلمہ اسلام کا پہلا جزء ہے۔ توحید کا اثبات اور رد شرک قرآن کا بنیادی مضمون ہے۔ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بھی یہی رہا۔ حضورؐ کے بعد آپ کے صحابہ، تابعین اور ائمہ امت، سب نے اپنے اپنے ادوار میں عقیدۂ توحید کی تبلیغ کی۔ ہندوستان میں دار العلوم دیوبند علوم دین۔ رد شرک اور اشاعت توحید کا زبردست کردار ادا کرتا رہا جناب قاری عبدالمجید صاحب بھی اسی گلشن کے خوشہ چین ہیں۔ حجاز مقدس میں رہتے ہوئے بھی پاک و ہند کے مسلمانوں کی خیر خواہی اور اشاعت توحید کا مخلصانہ جذبہ ہے ۔ ۸۰۰ صفحات کی عظیم کتاب لکھ دی ہے۔ مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی کی کوشش سے کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے انداز تحریر سادہ شستہ اور دلنشیں ہے۔ زبان عام فہم اور آسان ہے۔ کتاب کا مضمون کتاب کے نام سے عیاں ہے استدلال اور تفہیم میں زیادہ تر قرآنی آیات، ان کا سلیس ترجمہ اور آسان تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور یہی کتاب کی اہم خوبی ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں، خطیبوں اور عام پڑھے لکھے دوستوں، سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ (ع۔ق۔ح)